پاکستانی ادب کے معمار

سید نصرت زیدی : شخصیت اور فن

طلعت محمود عاجز

اکادمی ادبیات پاکستان

پاکستانی ادب کے معمار

اکادمی ادبیات پاکستان
پطرس بخاری روڈ، سیکٹر H-8/1، اسلام آباد

پاکستانی ادب کے معمار

(سلسلہ ۱۳۶)

سید نصرت زیدی: شخصیت اور فن

پیشِ نظر کتاب ہمارے واٹس ایپ گروپ کے سکالرز کی طلب پہ سافٹ میں تبدیل کی گئی ہے۔ مصنفِ کتاب کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ سافٹ بنانے والوں کے حق میں دعائے خیر کی استدعا ہے۔

زیرِ نظر کتاب فیس بک گروپ "کتب خانہ" میں بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے۔
گروپ کا لنک ملاحظہ کیجیے :

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share

میر ظہیر عباس روستمانی

03072128068

نگران اعلیٰ	ڈاکٹر یوسف خشک
نگران منصوبہ و طباعت	اختر رضا سلیمی
مصنف	طلعت محمود عاجزؔ
نظر ثانی	محبوب ظفر
تدوین	خورشید ربانی
اشاعت	2020
تعداد	500
ناشر	اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد
مطبع	نسٹ پریس، اسلام آباد
قیمت	مجلد: -/260 روپے
	غیر مجلد: -/220 روپے

ISBN: 978-969-472-332-7

Pakistani Adab Kay Maimar
Syed Nusrat Zaidi: Shakhsiyat-aur-Fun

Written By
Talat Mehmood Ajiz

Publisher
Pakistan Academy of Letters
Islamabad, Pakistan

فہرست

باب۔(۴)

باب۔(۵)

باب۔(۶)

پیش نامہ

پاکستانی ادب کے معمار سیریز کی 146 ویں کتاب ، سید نصرت زیدی: شخصیت اور فن پیش خدمت ہے۔

اکادمی ادبیات پاکستان کے اس معروف سلسلے کی کتابیں پاکستانی زبانوں کے اہم لکھنے والوں کا محض تعارف ہی نہیں بلکہ ان کی نوعیت تحقیقی اور تنقیدی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں پاکستانی ادب کا ایک عام قاری، ان سے اپنے ذوق کے مطابق حظ اٹھا سکتا ہے، وہیں پاکستانی ادب کے محققین، ناقدین اور طالب علم بھی ان سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔

سید نصرت زیدی کو ادب کا ذوق وشوق ورثے میں ملا، ان کے خانوادے میں کئی ایسی شخصیات موجود تھیں جو تخلیقی سطح پر فعال تھیں۔ ان کی تخلیقات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اُردو کا کلاسیکی سرمایہ اپنے بچپن ہی میں پڑھ لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں جو کلاسیکی رچاؤ ہے وہ ان کے معاصرین میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ شاعری کے علاوہ وہ تحقیقی اور تنقیدی سطح پر بھی بہت فعال رہے۔

سید نصرت زیدی نے طویل عمر پائی اور ان کی خوش بختی کہ وہ آخر وقت تک نہ صرف تخلیقی طور متحرک رہے بلکہ ادبی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ ان کے پڑھنے کا انداز بھی بہت منفرد تھا اور اسی باعث وہ اردو مشاعروں کی جان سمجھے جاتے تھے۔

شخصی سطح پر وہ ایک نستعلیق آدمی تھے۔ چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک سے انتہائی محبت اور احترام

سے پیش آتے تھے، ان کی عاجزی اور انکساری کی وجہ سے لوگ ان کے ہمیشہ گرویدہ رہے۔

اس کتاب کے مصنف طلعت محمود اس سے قبل سید نصرت زیدی پر ایم فل کا مقالہ لکھ چکے ہیں۔ ہماری درخواست پر انھوں نے یہ کتاب جس محبت، محنت اور لگن سے لکھی، اس کے لیے ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعے سید نصرت زیدی کی شخصیت کے بہت سے ایسے گوشے نمایاں ہو کر سامنے آئیں گے، جو اس سے قبل ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔

اس کتاب کی تزئین و آرائش اور طباعت کے لیے میں اپنے رفیق کار اور اکادمی ادبیات پاکستان کے سہ ماہی جریدوں ''ادبیات'' اور ''ادبیات اطفال'' کے مدیر اختر رضا سلیمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت کی اضافی ذمے داری بھی احسن طریقے سے نبھائی۔

ہمیں قارئین کی تجاویز و آرا کا انتظار رہے گا۔

(ڈاکٹر یوسف خشک)
چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان

پیش لفظ

سید نصرت زیدی ایک معروف شاعر اور دانشور تھے۔ انھوں نے ۷۵ رپچھتر سال سے زائد عرصہ دشتِ ادب کی سیاحی میں گزارا مگر اس طویل مدت میں ہمیشہ صداقت، حقیقت پسندی، شفقت، محبت، انسان دوستی اور آفاقی اقدار کا پرچم بلند رکھا۔ ان کی شاعری میں جہاں مزاحمتی رنگ ہے وہیں سماجی شعور کے ساتھ ساتھ انسانی وقار کا تحفظ اور انسانیت کے دکھوں کا احساس بھی موجود ہے۔

کلاسیکی روایت سے جڑا ہوا اور جدت سے مملو کلام سید نصرت زیدی کی پہچان رہا ہے۔ وہ جب تک حیات رہے، شعرو ادب کی دنیا میں فعال کردار ادا کرتے رہے۔ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک نقاد اور تدوین کار بھی تھے۔ انھوں نے متعدد کتب پر اپنے ناقدانہ خیالات کا اظہار کیا اور اسے کتابی صورت میں شائع بھی کیا۔

میں نے نصرت زیدی کے کلام کا بالالتزام مطالعہ کیا اور جب اُن سے ملا تو مجھے حیرت ہوئی کہ سید نصرت زیدی جیسے اچھے اور نامور شاعر کے بارے میں ابھی تک تحقیقی کام کیوں نہیں ہوا۔ شاید اہم شاعر اور اک بڑی تہذیبی شخصیت پر تحقیقی کام کرنا میری قسمت میں لکھا تھا۔

ڈاکٹر یوسف خشک، صدرنشیں اکادمی ادبیات پاکستان نے اُردو کے نامور شعرا و ادبا کی شخصیت اور فن پر کتب شائع کرنے کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا تو امید بندھی کہ اب سید نصرت زیدی ایسی ممتاز شخصیت اور ان جیسے شعرا و ادبا کی زندگی اور فن پر مطبوعہ مواد اُردو ادب

سے دل چسپی رکھنے والوں اور طالب علموں کے مطالعے کے لیے بآسانی دستیاب ہو سکے گا۔ میں چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان ڈاکٹر یوسف خشک صاحب کا ممنون ہوں کہ اُنھوں نے سید نصرت زیدی کی شخصیت اور فن پر یہ کتاب شائع کرنے کا اہتمام کیا۔

طلعت محمود عاجزؔ

باب۔(۱)

سوانح اور شخصیت

نصرت زیدی کا علمی و ادبی سرمایہ قریباً ۷۵ سال پر پھیلا ہوا ہے۔ وہ بیک وقت ایک اعلیٰ پائے کے شاعر اور نقاد تھے۔ انھوں نے غزل اور نظم کے ساتھ ساتھ، حمد، نعت، سلام اور منقبت بھی کہی اور تنقید بھی لکھی۔ انھوں نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اُسے زندہ کر دیا۔ شخصی طور پر ایک ملنسار، محبت کرنے والے انسان تھے، ادب، آداب اور گفتگو اتنی دل نشین ہوتی کہ پہروں بیٹھ کے انھیں سنتے رہیے۔ ان کا مسلک انسان دوستی تھا، سو انھوں نے ہمیشہ محبتیں بانٹیں۔

خاندانی، علاقائی پس منظر

سید نصرت زیدی کا تعلق میمن سادات ضلع بجنور یو پی (اتر پردیش) بھارت سے ہے۔ میمن سادات کی آبادی 1947 میں تقریباً ڈھائی ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ اس تعداد میں سید برادری کی تعداد ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ باقی آبادی میں انصاری، شیخ اور دوسرے لوگ شامل تھے۔ سید برادری مظفر نگر کے مختلف قصبوں اور بستیوں سے یہاں آکر آباد ہوئی۔ میمن والوں نے ان سادات کی آمد پر انھیں خوش آمدید کہا اور کشادہ دلی سے ان کی پذیرائی کی۔ نئے آنے والوں نے اس بستی کے مکینوں سے مل کر اسے ضلع بجنور بلکہ سادات بارہ کے لیے ایک ماڈل بنا دیا۔ یہ بستی تعلیمی لحاظ سے بہت آگے تھی۔ ۱۹۴۲ء میں اس بستی میں ۱۳ گریجوایٹ، ۴ ایل ایل بی، ۳ ڈپٹی مجسٹریٹ نہر اور ایک سول سرجن تھا۔ سیدوں کی علاوہ کوئی بھی زرعی زمین کا مالک نہ تھا۔ نصرت زیدی بستی میمن کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> ''اس بستی کا نام محل وقوع کے اعتبار سے ''مامن'' رکھا گیا۔ ''مامن'' عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ''امن'' کے ہیں۔ یہ نام (کثرت استعمال سے) بولتے بولتے میمن ہو گیا مگر رہا پھر بھی بامعنی۔''(۱)

نصرت زیدی کے آباؤاجداد باہرہ ضلع مظفرنگر کے قصبہ چوڑیالہ محلہ محل کے رہنے والے تھے۔ان کے والد سید سراج الدین گرداور قانون گو تھے۔اس دوران انھوں نے نائب تحصیل دار کے فرائض بھی انجام دیے۔کلکٹر سے چپقلش کے باعث ملازمت کو خیر باد کہہ دیا اور زمین داری کرنے لگے۔ان کے دادا سید محمد امام نمبردار مشہور تھے۔اسی نسبت سے ان کا گھرانہ نمبردار والا گھر کہلاتا تھا۔ان کے بارے میں نصرت زیدی لکھتے ہیں:۔

> ''میرے سردادا بلکہ ان کے والد سیدن میرن ریاست گڑھوال میں پولس کے ایک بڑے آفیسر تھے۔گڑھوال آتے جاتے اکثر ان کا قیام میمن سادات میں ہوا کرتا تھا۔اس وجہ سے میمن سادات کے سیدوں سے تعلقات یہاں تک بڑھے کہ انھوں نے اپنی شادی میمن سادات ہی میں کر لی اور یہی امر میمن سادات میں ان کی مستقل سکونت کا باعث ہوا''۔(۲)

شجرہ نسب

زیدی سادات حضرت زید شہید ابن امام زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔اس نسبت سے انھیں اکثر زیدی کہا جاتا ہے۔یہ زیادہ تر ہندوستان اور پاکستان کے علاقوں میں آباد ہیں۔سید نصرت زیدی کے سردادا کا نام نصرت علی تھا اور اسی نام کی مناسبت سے ان کا نام نصرت رکھا گیا۔نصرت علی کے بیٹے کرم علی اور ان کی اولاد میں سے محمد امام تھے جو نصرت زیدی کے دادا تھے۔

محمد امام کی اولاد میں سے تین بیٹے جن کے نام مظاہر حسن ،سراج الحسن،اور ارتضیٰ حسین تھے۔اور بیٹیاں کنیز زینب، کنیز صغری اور ارتضائی بیگم تھیں۔محمد امام کے گھر سراج الحسن کی پیدائش تقریباً ۱۸۸۰ میں ہوئی کیوں کہ بقول نصرت زیدی اُن کی وفات ۱۳رمئی ۱۹۴۵ میں ہوئی اور اُس وقت اُن کی عمر تقریباً ۶۵رپینسٹھ برس تھی۔سراج الحسن کی پہلی شادی اپنے خاندان کی مشتری بیگم سے جبکہ دوسری شادی خاندان سے باہر سید سبط فاطمہ سے ہوئی۔سید نصرت زیدی لکھتے ہیں:۔

> ''میرے والد کی پہلی شادی اپنے خاندان میں سیدہ مشتری بیگم سے ہوئی جن سے ''میں'' پیدا ہوا اور دوسری شادی سیدہ سبط فاطمہ سے ہوئی۔اُن سے دولڑکیاں مزملہ خاتون اور سیدہ زہرا خاتون پیدا ہوئیں۔ان دونوں کا انتقال میمن ہی میں ہوا''۔(۳)

تاریخ پیدائش

سید نصرت زیدی سکول ریکارڈ اور شناختی کارڈ کے مطابق ۲۳ جولائی ۱۹۲۳ کو پیدا ہوئے۔ صنعت تاریخ کے حوالے سے ان کا نام "افتخار مہدی" رکھا گیا جس سے سن پیدائش ۱۳۴۱ھ برآمد ہوتا ہے۔اس حوالے سے سید نصرت زیدی لکھتے ہیں:۔

"میرا تاریخی نام جو کہ منصبیہ شیعہ کالج میرٹھ کے مولوی فیاض حسین صاحب نے افتخار مہدی رکھا تھا۔اس کے اعتبار سے میری تاریخ پیدائش ۱۳۴۱ھ نکلتی ہے"۔(۴)

۱۳۴۱ھ سے عیسوی سن پیدائش تو ۱۹۲۲ یا ۱۹۲۳ نکلتا ہے لیکن دن کا درست اندازہ نہیں ہوتا۔افتخار مہدی نام اختیار نہ کرنے کی وجوہات کیا تھیں ،اس حوالے سے معلومات دستیاب نہیں ہو سکیں۔تاہم قیاس یہی ہے کہ چونکہ گھر والوں نے سردادا نصرت علی کے نام پر ان کا نام نصرت رکھا تھا،اس لیے یہی مستقل نام کے طور پر اختیار کیا گیا۔ان کی تنقیدی کتاب "تبصرہ و تجزیہ" کے فلیپ میں سن پیدائش جولائی ۱۹۲۸ درج ہے۔ممکن ہے کسی جگہ یہ سن درج ہو جو فلیپ نگار نے لکھا ہے تاہم مجھے کوئی سند نہیں مل سکی۔(۵)

اکادمی ادبیات پاکستان کی ویب سائٹ پر درج تاریخ پیدائش شناختی کارڈ کے مطابق ہے اور یہی درست تصور کی جاتی ہے۔

تعلیم

سید نصرت زیدی نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز گاؤں میمن سادات سے کیا۔ابتدائی چار جماعتیں یہیں زیرِ تعلیم رہے۔اس کے بعد اپنے پھوپھی زاد بھائی مصطفیٰ جو اُس وقت پولیس میں ملازم تھے، کے پاس امروہہ ضلع مراد آباد چلے گئے اور ساتویں جماعت تک امروہہ میں تعلیم حاصل کی اور پھر مظفر نگر کے گورنمنٹ ہائی سکول میں داخل ہو گئے، کچھ دن مظفر نگر میں ایک عزیز کے ہاں ٹھہرے پھر سکول کے ہاسٹل منتقل ہو گئے۔

مڈل پاس کرنے کے بعد پھوپھی زاد بھائی سید مرتضیٰ حسین کے پاس میرٹھ چلے گئے جو اُس وقت

وہاں ایک کرسچن سکول میں اُردو پڑھاتے تھے۔ وہاں ان کا داخلہ میرٹھ کے فیض عام ہائی سکول میں ہو گیا۔ انھوں نے میٹرک کا نامکمل امتحان دیا اور پھر پڑھائی سے بھاگ گئے۔ بھاگتے بھاگتے لاہور پہنچے اور اپنے پھوپھی زاد بھائی تحسین حسین کے پاس رہائش پذیر ہو گئے۔ اور ۱۹۴۶ میں میٹرک لاہور سے کیا۔ بعدازاں ۱۹۵۴ میں "اُردو آنرز" بھی کر لیا۔

نصرت زیدی لاہور میں اکیلے رہتے تھے، پہلے تو والد نے انھیں واپس بلانا چاہا مگر جب دیکھا کہ ملازمت مل گئی ہے تو خاموش ہو گئے۔ والد انھیں پڑھانا چاہتے تھے مگر نصرت زیدی پڑھنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے والد اکثر ان سے کہا کرتے اگر تم پڑھنا نہیں چاہتے تو اپنی آبائی زمینیں سنبھال لو ،ملازمت میں کیا رکھا ہے۔

ملازمت

سید نصرت زیدی نے اکادمی ادبیات کے پروگرام اہل قلم سے ملیے (۱۴ کتوبر ۲۰۱۸) میں گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ

> "سب سے پہلے مجھے "پرتاپ" اخبار میں کام کرنے کا موقع ملا، وہاں پر ابوالکلام آزاد جیسے جید ادیب سے میری ملاقات ہوئی اور تقسیم ہند کے بعد میں پاکستان آیا اور ملٹری اکاؤنٹس میں بطور کلرک ملازمت اختیار کی"۔(۶)

۱۹۴۳ میں لاہور آئے، پڑھائی میں چونکہ دل نہیں لگتا تھا، اس لیے وقت گزارے نہ گزرتا۔ تفریح کے لیے کیرم بورڈ کھیلنے لگ گئے اور ایسا کھیلے ایسا کھیلے کہ نام کیا۔ بے شمار مقابلے جیتے۔ ایک مقابلہ کہ جس سے جیتے، اُس نے اپنے بھائی سے مقابلے کی دعوت دے دی۔ اگلے روز کینال پارک میں مقابل کے گھر پر مقابلہ ہوا۔ اسٹرائیکر نصرت کے ہاتھ آیا تو ان ہی کا ہو کر رہ گیا۔ مقابل حیرت سے ٹکر ٹکر ان کی باریک انگلیاں دیکھتے رہ گئے۔ وہیں باتوں باتوں میں انھیں معلوم ہوا کہ ان کے قریبی قصبہ نگینہ ضلع بجنور کے ایک صاحب نصف بنگلہ میں رہتے ہیں۔ شکست خوردہ بھائیوں نے اُن سے ملوا دیا۔ اُن کا نام شجاعت علی صدیقی تھا۔ جو بعد میں ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل کے عہدے تک پہنچے۔ نیک سیرت انسان تھے۔ نصرت کے احوال سے آگاہ ہوئے اُنھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب باغی بلا کے ہیں۔ دسویں جماعت سے آگے پڑھ بھی نہیں پائے۔ انھوں نے اگلے روز ناشتے پر بلوایا۔ نصرت زیدی

بروقت پر پہنچ گئے۔ ناشتے کے بعد صدیقی صاحب انھیں اپنے ملٹری اکاؤنٹس کے دفتر لے گئے۔ وہاں استقبالیے پر چھوڑ کر صدیقی صاحب اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد نصرت زیدی کو اندر بلوایا گیا۔ جہاں دو اور افسر بھی تشریف فرما تھے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک نے انگریزی میں ان سے نام پوچھا تو نصرت نے کہا، ابھی تو صدیقی صاحب کے ساتھ آیا ہوں صاحب، اس پر سارے ہنس پڑے، یہ نصرت زیدی کی زندگی کا پہلا اور آخری انٹرویو تھا۔

بعد ازاں وہ یوں ''فنافی الکام'' ہوئے کہ ایک کم چالیس برس بعد جب اکاؤنٹنٹ تھے کہ ایک دن خیال آیا کہ کام کچھ زیادہ ہی کر بیٹھے ہیں، سو ریٹائرمنٹ لے لی۔ اس طرح نصرت زیدی کی پہلی ملازمت لاہور سے شروع ہوئی اور ۱۹۴۳ سے ۱۹۵۸ تک لاہور میں رہے۔

۱۹۴۵ میں والد گرامی سراج الحسن کا انتقال ہو گیا تو نصرت زیدی کو اُن کے بعد گاؤں کا نمبردار بنا دیا گیا جو گورنمنٹ کی طرف سے ہوتا تھا۔ ۱۹۴۶ میں تین ماہ کی چھٹی لے کر میسن گاؤں چلے گئے اور تمام معاملات سلجھائے اور اپنی جگہ محصل بھی مقرر کیا جو لگان وغیرہ وصول کر کے مال گزاری جمع کرواتا تھا اور اسی سال نصرت زیدی نے پاکستان کے لیے ووٹ بھی ڈالا۔

نصرت زیدی ''نوائے سروش'' بھی نکالتے رہے اور اس کے دس سال تک مدیر رہے۔ اس حوالے سے کچھ زیادہ تفصیلات نہیں مل سکیں۔

ہجرت

۱۹۴۷ میں جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو نصرت زیدی کی والدہ محترمہ اور دیگر رشتہ دار ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ اُس وقت پنجاب کا گورنر سر فرانسز مودی تھا جس کا ADC نصرت زیدی کے خاندان کو پہلے سے جانتا تھا۔ اُس نے نصرت زیدی کے نام ماڈل ٹاؤن میں ایک کوٹھی الاٹ کی جس کا نمبر ۵۲ تھا اور بی بلاک میں واقع تھی۔

اس زمانے میں ماڈل ٹاؤن اُجڑا ہوا تھا، وہاں نہ گوشت کی دکان نہ سبزی اور نہ دیگر ضروریات زندگی موجود تھیں۔ ان کی والدہ نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا۔ نصرت زیدی نے وہاں زیادہ عرصہ اکیلے نہیں رہ سکنے کے سبب اسے چھوڑ دیا۔ پھر انھوں نے اسلامیہ پارک چوبرجی کے نزدیک ایک محلہ میں کرایے کے مکان میں (جہاں نصرت زیدی پہلے رہتے تھے) رہائش اختیار کر لی۔ لاہور کی فضاؤں

میں رچ بس گئے تو اکثر وہ احسان دانش کے مکتبہ دانش میں وقت گزارتے۔مالی اخراجات میں اضافے (ایک سوروپے تنخواہ ملتی تھی جو محفلوں میں خرچ کردیتے) سے تنگ آ کر افسروں سے درخواست کی کہ میرا تبادلہ لاہور سے اتنی دور کردیا جائے کہ آسانی سے لاہور نہ آسکوں۔درخواست منظور ہوئی اور ۱۹۵۸ میں نصرت زیدی ڈیرہ اسماعیل خان چلے گئے۔یہاں ان کی ملاقات اپنے سنیئر اور نامور شاعر عبدالحمید عدم سے ہوئی۔ادب پرور لوگوں سے میل ملاقاتوں اور ڈیرہ کی فضا نے ان کی شاعری کو پھولنے پھلنے میں مدد دی۔۱۹۶۱ تک ڈیرہ اسماعیل خان رہے۔پھر دوسال پشاور میں رہ کر ۱۹۶۳ میں راولپنڈی آ گئے اور بقیہ ملازمت اسی شہر میں مکمل کی۔

شادی

نصرت زیدی جب پشاور میں تعینات تھے تو وہاں قیام کے دوران ہی ان کی شادی طے پا گئی۔ انھیں ایک دن اپنے چچازاد ممتاز شاعر مصطفیٰ زیدی کی ارجنٹ کال موصول ہوئی جوان دنوں نواب شاہ کے ڈپٹی کمشنر تھے۔فون پر انھیں ہدایت کی گئی کہ وہ اور ارتضیٰ زیدی (مصطفیٰ زیدی کے بھائی) جواُن دنوں نوشہرہ میں انکم ٹیکس آفیسر تھے،دونوں میرے پاس آجائیں اور خالہ یعنی نصرت زیدی کی والدہ گھر پر ہی رہیں۔اس ہدایت پر وہ دونوں مصطفیٰ زیدی کے پاس نواب شاہ چلے گئے۔

نواب شاہ پہنچتے ہی مصطفیٰ زیدی،نصرت زیدی کو ایک عزیز مظفرحسین کے گھر لے گئے اور وہاں ان کی نسبت طے کی اور فوراً ہی شادی کروادی۔نصرت زیدی کی بیوی ان کے خاندان سے نہیں تھی لیکن اُس کا تعلق سادات باہرہ سے ضرور تھا اور نام سیدہ ممتاز فاطمہ تھا۔وہ اپنی والدہ کے ساتھ خیر پور سندھ میں رہتی تھیں۔نصرت زیدی اس حوالے سے لکھتے ہیں:۔

> ''میری شادی ۱۹۶۳ میں خیر پور سندھ میں ہوئی۔بارات میں ارتضیٰ زیدی، مصطفیٰ زیدی،مظفرحسین اور لاہور سے کرنل صلاح الدین (صلو بھائی) نے شرکت کی۔ارتضیٰ زیدی نوشہرہ سے (یہ نوشہرہ ITO تھے اور میں پشاور آڈٹ آفس میں تھا) میرے ساتھ گئے،مصطفیٰ زیدی نواب شاہ میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ وہیں سے شریک ہوئے''۔(۷)

اولاد

اللہ تعالیٰ نے شادی کے ۱۴ سال بعد نصرت زیدی کے گھر رحمت نازل فرمائی۔ ان کی اکلوتی بیٹی کی پیدائش ۸۷ء۱۹ میں ہولی فیملی ہسپتال راولپنڈی میں ہوئی۔ بچی کو مصطفیٰ زیدی کے بھائی ارتضیٰ زیدی اپنے گھر اسلام آباد لے گئے۔ اُن کی دو بیٹیاں تھیں جن کے نام کا آغاز انگریزی حرف ایس (S) سے ہوتا تھا۔ اس طرح بچی کا نام سید ارتضیٰ زیدی نے صدف رکھا۔

سید نصرت زیدی لکھتے ہیں:۔

> ''صدف نام برادرم سید ارتضیٰ زیدی نے رکھا تھا اور نجم السحر کا اضافہ صدف سے پہلے میں نے کیا اور اس طرح پورا نام نجم السحر صدف ہوا۔'' (۸)

سید نصرت زیدی کی صاحبزادی ڈاکٹر سیدہ نجم السحر صدف آج کل نسٹ (نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی اسلام آباد) میں صدر شعبہ انڈسٹریل بائیو ٹیکنالوجی ہیں۔

شخصیت

نصرت زیدی تہذیبی روایات اور اقدار کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ ہمیشہ اپنے گرد و پیش کا خیال رکھتے، دوستی اور دیگر رشتوں کو نبھانا جانتے تھے۔ فقیرانہ طبع کے حامل اور انسان سے محبت کرنے والے تھے۔ مادیت پرستی انھیں چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔

ڈاکٹر قاضی عبدالقادر لکھتے ہیں:

> ''نصرت زیدی کے لیے انسانی اقدار، ان کا تحفظ اور ان کا اظہار ایک قلبی اضطراب کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ اس میں وہ ایک گونہ تقدس پاتے ہیں اور تحریر و تقریر میں جہاں انسان کے حوالے سے کوئی بات کہی جائے، چاہے شعر میں ہو نہ ہو، ان کے لیے بات رواروی کے دائرے میں مقید نہیں ہو سکتی ہے نہ کی جانی چاہیے۔'' (۹)

ڈاکٹر ذوالفقار علی کاظمی لکھتے ہیں:

> ''میں نے انھیں ایک مشفق و مہربان برادر بزرگ کی حیثیت سے دیکھا، محسوس کیا اور ویسا ہی پایا جیسا کہ ایک بڑا بھائی ہونا چاہیے۔'' (۱۰)

نصرت زیدی کی صاحبزادی ڈاکٹر نجم السحر صدف سے جب پوچھا گیا کہ وہ نصرت زیدی کی شخصیت کے حوالے سے کیا کہنا چاہیں گی تو انھوں راقم کے نام اپنے ایک وائس ایپ پیغام میں بتایا

> ''دنیا سید نصرت زیدی کو ایک بزرگ اور عمدہ شاعر، ایک شفیق اور نفیس شخص کے طور پر جانتی اور پہچانتی ہے۔میرے لیے وہ وہ میرے بابا تھے، میرے دوست، میرے ہم راز، میری طاقت، میرا فخر، میرا غرور۔گو کہ ہر شخص کی اپنی ایک ذاتی پہچان اور منفرد شخصیت ہوتی ہے، شناخت ہوتی ہے، مگر مجھے اپنے بابا کے توسط سے پہچانا جانا اچھا لگتا ہے۔''(۱۱)

راقم نے نصرت زیدی کی بہ حیثیت ایک باپ، شخصیت کو جاننے کے لیے جب ڈاکٹر صدف سے پوچھا تو انھوں بتایا

> ''بہ حیثیت ایک باپ، میں نے اپنے بابا کی شخصیت کو کبھی دوہرا نہیں پایا۔ان کی وہ تمام خصوصیات جو گھر کے باہر ان کی ذات کا حصہ تھیں، گھر کے اندر بھی وہی تھیں۔صحیح کو صحیح، غلط کو غلط کہنا تو جیسے ان کی فطرت تھی۔ مجھے ہر وہ آزادی حاصل تھی جو میرا حق تھی اور ہر اس بات پر پابندی تھی جو میرے حق میں بہتر نہیں تھی۔صحیح اور غلط کے درمیان اتنی گہری لکیر لوگ مشکل سے کھینچ پاتے ہیں مگر بابا کے لیے یہ سب بہت سہل تھا۔''(۱۲)

حلیہ اور مزاج

نصرت زیدی کا قد درمیانہ، رنگت گندمی اور آنکھیں روشن اور گہری تھیں۔شیروانی، پینٹ شرٹ، سوٹ زیب تن کرتے تھے۔ بہت نفیس اور دبلے پتلے آدمی تھے مگر آواز بھاری تھی۔

نظر اگر چہ کم زور نہیں تھی، تا ہم عینک استعمال کرتے، اخبار باقاعدگی سے پڑھتے، کم گو تھے مگر سیاست، سماجیات، مذہب، غرض ہر موضوع پر گفتگو کے ماہر، مباحثوں میں بھر پور شرکت کرتے تھے۔ مطالعہ بہت کرتے۔کھانے، پینے کے بہت شوقین تھے مگر کھاتے نہایت کم۔ پلاؤ، پائے، حلیم اور بدایوں کے پیڑے، بہت پسند تھے۔

انسان دوستی

نصرت زیدی کی انسان دوستی واقعی رواروی سے آگے کی بات تھی۔ قاضی عبدالقادر اپنے دورہ ایران کے دوران، نصرت زیدی سے ہونے والی ایک ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''ہوٹل کے استقبالیہ میں ایک جگہ انھیں فکرِ سخن میں مصروف دیکھا۔ دریافت کرنے پر بتایا کہ سال گزشتہ اتفاقاً اسی ہوٹل میں اپنی صاحبزادی سیدہ صدف کے ساتھ قیام کیا تھا اور ایک روسی مسلمان بچی نے فرمائش کی تھی کہ اسے ایک غزل لکھ دوں۔ اس وقت موقع نہ ملا اور آج صبح اُس نے انھیں پہچان کر وعدہ یاد دلایا اور اس کو پورا کرنے کے لیے وہ کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے۔ مجھ سے کہا آپ ناشتہ کر آئیں، غزل بھی ہو جائے گی۔ اور یہی ہوا۔ فارسی میں انھوں نے نہایت مرصع غزل کہی تھی۔'' (۱۳)

نصرت زیدی کی انسان سے محبت، انسانی اقدار سے محبت کے بارے میں ان کی صاحبزادی ڈاکٹر نجم السحر صدف لکھتی ہیں

''کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جس کی زبان میں ایسی تاثیر ہو کہ لوگ اس کے گرویدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ جس کی باتیں بڑے جہاں دیدہ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنیں۔ بابا ایسے ہی تھے، ان کی شخصیت کا یہ رخ مجھے سب سے زیادہ fascinate کرتا ہے۔ میں نے اپنے اردگرد کے لوگوں میں کسی کو اتنا سوشل نہیں دیکھا جتنا بابا تھے۔ ایک ہلکا پھلکا سا شخص اتنی بھاری شخصیت کا مالک تھا۔ وضع داری، روایات کی پاسداری، بے باکی، سچائی، خلوص، ایثار، دوستی اور محبت جیسی مشکل اقدار میں نے اپنے بابا سے نبھانی سیکھی ہیں۔ (۱۴)

نصرت زیدی کے قریبی دوست محبوب ظفر ان کی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''سوچتا ہوں تو لگتا ہے سید نصرت زیدی سے واقفیت بہت پرانی تھی، اتنی پرانی کہ بیسیوں دفعہ ذہن پر زور دینے کے باوجود یاد نہیں آ سکا کہ ان سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی۔ بس اتنا یاد ہے کہ جب انھیں پہلی بار ملا تو انھی کا ہو کر رہ گیا۔'' (۱۵)

حق گوئی و بے باکی

نصرت زیدی جیسے بے باک اور سچ بولنے لوگ زمانے میں کم کم ہی نظر آتے ہیں۔انھوں نے زندگی بھر سچ بولنے اور بے باکی سے بات کرنے کی روش اپنائے رکھی۔کبھی کسی سے مرعوب ہوئے نہ جھجک محسوس کی۔شعر ہو یا نثر یا عام زندگی،وہ سچ کا علم بلند رکھنے والے آدمی تھے۔ڈاکٹر قاضی عبدالقادر لکھتے ہیں

''نصرت زیدی سچ کہتے ہیں اور بے تکلف کہتے ہیں۔کاش ان جیسے شہر میں دو چار اور بھی ہوں''(۱۶)

نصرت زیدی کی شخصیت سے متعلق معروف شاعر اور ان کے قریبی دوست محبوب ظفر کہتے ہیں

''آدمی اور آدمیت کا احترام،اُس سے محبت،حق گوئی،بے باکی،صلح جوئی،اعلیٰ اخلاقی اقدار،انسان دوستی،تہذیب و ثقافت اور محبت کے موضوعات،اُن کی شاعری اور شخصیت کی پہچان ہیں''۔(۱۷)

قناعت پسندی

نصرت زیدی نے ہمیشہ صبر و تحمل،بردباری اور قناعت پسندی کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔قدرت کی طرف سے جو مل گیا اس پر شکر گزار ہوئے اور جو نہ ملا،اس پر گلا مند نہ ہوئے۔کفایت شعاری ان کی زندگی کا اہم اصول رہا۔عام لوگوں کی طرح عہدے یا مالی مفاد کے حصول کے لیے دوڑ دھوپ،ان کے مزاج کا حصہ نہ تھی۔

درویشی،سادگی،صبر اور شکر سے عبارت ایسی شخصیتیں بہت کم ہوتی ہیں،جیسی کہ نصرت زیدی کی شخصیت تھی۔

اظہار عقیدت

نصرت زیدی انسان دوست تھے،انسان سے محبت و عقیدت اور دل جوئی کے معاملے میں بھی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے۔وہ جن شخصیات سے متاثر ہوئے،ان کے لیے اپنی عقیدت کا اظہار شعر کی صورت کیا۔یہاں تک کہ وہ جن شہروں میں رہے،ان پر بھی نظمیں لکھی ہیں۔ممتاز شاعر مصطفےٰ زیدی لکھتے ہیں

''نصرت صاحب کا عقیدت کے بارے میں یہ حال ہے کہ چند سال ڈیرہ
اسماعیل خان میں گزارنے کے بعد انھوں نے ایک ٹھاٹ دار قاآنی کے رنگ
کا قصیدہ ڈیرے کی شان میں لکھا۔''(۱۸)

شخصیات میں والدہ مرحومہ، بیٹی ڈاکٹر نجم السحر صدف، مولانا محمد مصطفیٰ جوہر، مصطفیٰ زیدی سمیت متعدد لوگوں پر ان کی نظمیں موجود ہیں۔شہروں میں سوات اور ڈیرہ اسماعیل خان قابل ذکر ہیں۔ڈیرہ اسماعیل خان سے متعلق نظم جس کو مصطفیٰ زیدی نے قاآنی کے رنگ کا قصیدہ کہا ہے، واقعی ایک خوب صورت نظم ہے۔ یہ نظم انھوں نے قیام ڈیرہ کے دوران ۱۹۵۹ میں لکھی تھی جو اس وقت ڈیرہ کے ایک مقامی اخبار'' غالب'' میں شائع ہوئی تو انفارمیشن افسر نے انھیں ایک سو روپے انعام دیا۔(۱۹)

اس نظم کی تعریف احسان دانش صاحب نے بھی کی۔نصرت زیدی نے یہ نظم اپنے پہلے مجموعہ کلام میں بوجوہ شامل نہیں کی تھی اور پیش لفظ میں اس نظم کی عدم شمولیت پر اہلیانِ ڈیرہ سے معذرت بھی کی۔بعدازاں اسے اپنے تیسرے شعری مجموعہ'' حرف وصدا'' میں شامل کرلیا۔نظم ملاحظہ ہو

باعثِ تسکینِ جاں ہے ڈیرہ اسماعیل خان
خطۂ جنت نشاں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

ذرہ ذرہ اک تجلی، بچا بچا رنگ و نور
گلستاں در گلستاں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

سمتِ مشرق سندھ مثلِ کہکشاں ہے تابناک
رشکِ اوجِ آسماں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

منظرِ صبحِ بنارس ، رونقِ شامِ اودھ
اک عجب دل کش سماں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

مرد و زن کے زینتِ دست وگلو پھولوں کے ہار
ایک شہرِ گل فشاں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

کوچہ کوچہ قہوہ خانے میکدے شیراز کے
افتخارِ اصفہاں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

رنگ و نغمہ ''دھاونی'' کے رنگ میں دیکھے کوئی
البلادِ عاشقاں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

ہاں وہ موسیقی جسے ''خورشیدِ موسیقی'' کہیں
گویا بغدادِ زماں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

بے گماں اخبار ''غالب'' پر صحافت کو ہے ناز
مرکزِ دانشوراں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

یادگارِ ناقہ ِ لیلیٰ ہیں بلوچوں کے اونٹ
کاروانِ محملاں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

اس قدر شفاف و شیریں ہے عرب سی یہ کھجور
تجھ پہ بصرے کا گماں ہے ڈیرہ اسماعیل خان

شہر پاکستاں میں نصرتؔ بہت سے ہیں مگر
ڈیرہ اسماعیل خاں ہے ڈیرہ اسماعیل خان(۲۰)

ایک اور نظم ''سوات'' کے حوالے سے نصرت زیدی نے اکادمی ادبیات کے پروگرام ''اہل قلم سے ملیے'' میں بتایا کہ

''کوہاٹ سے ایک ہفتہ وار رسالہ ''ہمدم'' نکلتا تھا، اس میں، میری ایک نظم نواب آف سوات کی دعوت پر ایک جلسے میں پڑھی ہوئی، شائع ہوئی جس پر نواب آف سوات نے ۵۰۰ روپے سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔(۲۱)

پہلا شعر

سید نصرت زیدی بتاتے ہیں کہ میری ایک عزیزہ، جو خوب رو تھیں اور مجھے بہت اچھی لگتی تھیں ایک روز انھوں نے مجھے کہا کہ تکیہ کے لیے ایک شعر لکھ دو، مجھے تکیہ پر کاڑھنا ہے۔ میری عمر اس وقت کوئی پندرہ برس ہوگی۔ مجھے ایسا کوئی شعر یاد نہیں تھا جو اسے لکھ دیتا۔ دوسرے روز جب میں اُن کے گھر گیا تو وہ سو رہی تھیں اور عالم یہ تھا کہ

آنکھیں ہیں ادھ کھلی ہوئی کلیاں ہوں جس طرح

سینہ پہ بازووں میں ہیں تکیہ لیے ہوئے

یکا یک یہ شعر میرے ذہن میں آیا اور میں نے کاغذ پر لکھ کر ان کو دے دیا۔ بہت خوش ہوئیں۔ بہرحال کئی روز تک میں فیصلہ نہ کر پایا کہ یہ شعر میں نے ہی کہا ہے۔ سید نصرت زیدی لکھتے ہیں:۔

''دو تین دن کے بعد میں نے مصرع طرح پر مصرع لگایا تو یقین سا آنے لگا کہ وہ شعر میں نے ہی کہا ہے۔ مصرع طرح یہ تھا:

مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے

میں نے اس پر یہ مصرع لگایا

اپنی قدرت سے وہ دم بھر میں یہ ساماں کر دے

اب پورا شعر یہ ہوا

اپنی قدرت سے وہ دم بھر میں یہ ساماں کر دے

مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے(۲۲)

شاعری کا باقاعدہ آغاز اور اساتذہ

پندرہ سال کی عمر میں پہلا شعر لکھنے کے بعد اُن کے تخلیقی ذہن کو ایسی بصیرت عطا ہوئی کہ وہ ہر وقت اشعار کی تراش خراش میں مصروف رہنے لگے۔ سید نصرت زیدی لکھتے ہیں:۔

''آغاز شاعری میں برادرم محمد امیر گیندو (گیندا میاں بگڑ کر گیندو ہوا) مجھے شعر کہنے کی رغبت انتہائی دلجوئی سے دلاتے رہے۔ وہ شاعر تو نہ تھے مگر شعر اور شاعری کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ ہماری بستی کے قریب جہاں بھی مشاعرہ ہوتا وہ

مجھے لے جاتے اس طرح مجھے شاعری کی اچھی خاصی سدھ بدھ ہوگئی۔(۲۳)

سید نصرت زیدی کی شاعری کو مزید بڑھاوا دینے والے اور اُن کی شاعری کی اصلاح کرنے والے دوسرے اُستاد حمید حسن ہنر ہیں، اُن کی کاوشوں نے سید نصرت زیدی کو شاعری کے میدان بے پناہ کامیابیاں عطا کیں۔

سید نصرت زیدی لکھتے ہیں:۔

''حمید حسن ہُنر نے میرے اشعار کی اصلاح بھی کی ہے اور مجھے آگے بھی بڑھایا''۔(۲۴)

سید نصرت زیدی کی حوصلہ افزائی کرنے والوں میں ایک اور اہم نام مصطفیٰ زیدی کا ہے جو اردو کے ممتاز اور نامور شاعر تھے۔ وہ نصرت زیدی کے چچا زاد بھائی تھے، نصرت زیدی انھیں اپنا اُستاد مانتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

''مُصطفیٰ زیدی سے میں نے جدید شاعری کے اسرار و رموز اور تکنیک سے آشنائی حاصل کی اور شاعری کے متعلقات کو سمجھا۔(۲۵)

دیگر اساتذہ کرام جن کی شاعری کا اثر نصرت زیدی پر ہوا اُن میں سے ایک ابوالکاظم قیصر زیدی ہیں۔ ذہنی طور پر سوشلسٹ اور ہمہ جہت شاعر تھا۔ تاہم سید نصرت زیدی جس شخصیت کو اپنا باقاعدہ اُستاد مانتے تھے، وہ اُردو شاعری کے شہرۂ آفاق اور مزدور شاعر حضرت احسان دانش ہیں۔ سید نصرت زیدی جب لاہور میں ملٹری اکاونٹس میں ملازمت کرتے تھے تو شام کا تمام وقت مکتبہ دانش میں گزارتے تھے۔ سید نصرت زیدی لکھتے ہیں:۔

''میں ۲۰ سال کی عمر میں پڑھائی چھوڑ کر ۱۹۴۳ میں لاہور آ گیا اور ملٹری اکاونٹس میں ملازم ہو گیا۔ ۱۹۵۸ تک لاہور رہا اور اس دوران دفتر کے اوقات کے بعد زیادہ وقت احسان دانش صاحب کے مکتبہ دانش پر رہنا میرا معمول رہا۔ میرے اشعار کی نوک پلک سنوارنے میں حضرت احسان دانش کو میرے اُستاد کی حیثیت حاصل ہے، میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا''۔(۲۶)

ان تمام شخصیات کو سید نصرت زیدی کے اساتذہ کرام کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

سید نصرت زیدی ایک کلاسیکل اور جدید طرزِ اظہار کے حامل شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ سید نصرت زیدی میر اور غالب کی شاعری سے بہت زیادہ متاثر ہیں اور وہ میر کو سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں۔ اُن کی شاعری کا زیادہ حصہ میر کی زمینوں پر مشتمل ہے اور انھوں نے دیگر کلاسیکل شعرا کے علاوہ غالب کی زمینیں بھی استعمال کی ہیں۔

بیرون ملک مشاعرے

سید نصرت زیدی کی زندگی کا بڑا حصہ مشاعروں کی زینت بنا۔ وہ ایک عمر اس تہذیبی اور ادبی سرگرمی کا حصہ رہے۔

۱۔ ۲۰۰۲ میں امریکہ واشنگٹن ڈی سی میں ورلڈ میڈیا پیس کانفرنس کا انعقاد ہوا جس کا موضوع تھا: "۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ کے بعد میڈیا، دانشوروں اور شعرا کا کیا رول ہونا چاہیے" اس عالمی کانفرنس میں انھیں ڈاکٹر ذوالفقار کاظمی نے بحیثیت شاعر و دانشور مدعو کیا۔

۲۔ کیلیفورنیا لاس اینجلس میں اُردو مرکز کے عالمی مشاعرے میں بحیثیت مہمانِ خصوصی شرکت کی مشاعرے کی صدارت حمایت علی شاعر نے کی جہاں حاضرین کی ایک بڑی تعداد نے ان کے کلام کو بے حد سراہا۔

۳۔ ۲۰۰۵ میں کینیڈا کی ایک نیم ادبی تنظیم ملٹی ویوز بیریو آف گریٹر ٹورنٹو نے ان کی کتاب "تبصرہ و تجزیہ" پر تقریب اور ایوارڈ دینے کے لیے نصرت زیدی کو کینیڈا بلوایا۔

۴۔ ۲۰۰۸ میں دبئی (یو اے ای) میں ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک باوقار تقریب کا انعقاد کیا گیا۔

۵۔ ۲۰۱۶ میں انھوں نے ابوظہبی کے عالمی مشاعرہ میں بھی بہ حیثیت مہمانِ خاص شرکت کی۔

نصرت زیدی پر تحقیقی و تنقیدی کام

راقم (طلعت محمود) نے نصرت زیدی کی ادبی خدمات پر اردو یونیورسٹی اسلام آباد سے ۲۰۱۲۔ ۲۰۱۳ میں ایم فل سطح کا مقالہ لکھا۔

اعزازات

۱۔ ورلڈ میڈیا کانفرنس ایوارڈ، امریکہ، ۲۰۰۲

۲۔ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ، امریکہ، ۲۰۰۲

۳۔ ایکسی لینس ایوارڈ، ملٹی ویوز بیوروآف گریٹر ٹورنٹو، کنیڈا، ۲۰۰۵

۴۔ مرزا غالب ایوارڈ، حلقہ ارباب ذوق دبئی، ۲۰۱۷

۵۔ احمد فراز ایوارڈ، احمد فراز ٹرسٹ، ادبی تنظیم زاویہ اسلام آباد، ۲۰۱۸

۶۔ لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ، ادبی تنظیم اشارہ انٹرنیشنل اسلام آباد، ۲۰۱۹

سانحہ ارتحال

نصرت زیدی کے آخری ایامِ حیات تکلیف دہ تھے نہ انھیں کوئی قابل ذکر مرض لاحق ہوا۔ معمول کی زندگی گزارتے ہوئے رحلت سے کچھ دن پہلے کھانا پینا بہت کم کر دیا تھا۔ وقت آخر ان کی صاحبزادی ڈاکٹر نجم السحر صدف اور قریبی دوست محبوب ظفر ان کے پاس موجود تھے۔ معمول کی گپ شپ کرتے ہوئے ۲۲ مارچ ۲۰۲۰ کو راہیِ ملک عدم ہوئے۔ محبوب ظفر بتاتے ہیں" ان سے آخری ملاقات بھی انھی سے گفتگو کرتے، ان کے شعر سنتے اور ان کی محبتیں سمیٹتے تمام ہوئی۔ وہ شعر سناتے، غالب کو یاد کرتے، ذکر پنجتن کرتے، اتنی آسانی سے ہمارے ہاتھوں سے نکل، کوئے عدم روانہ ہوئے کہ گمان تک نہ ہوا"۔ (۲۷)

کرونا کی صورتحال کی وجہ سے نماز جنازہ میں بہت کم لوگ شریک ہو سکے۔ عبید سعید اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں لکھتے ہیں

"کرونا کی صورتحال کی وجہ سے لاک ڈاؤن کا پہلا دن تھا مگر میں اپنے بزرگ دوست کو پھولوں کے ساتھ الوداع کرنا چاہتا تھا۔ لال کڑتی کے بعد صدر میں بھی دکانیں بند ملیں تو افتخار عارف یاد آئے "جس روز ہمارا کوچ ہوگا پھولوں کی دکانیں بند ہوں گی"۔ (۲۸)

انھیں آرمی گریویارڈ ریس کورس راولپنڈی میں اہلیہ کی آخری آرام گاہ کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔

☆☆☆

تصانیفِ نصرت زیدی

آذر کدہ

نصرت زیدی کا یہ پہلا شعری مجموعہ مکتبہ دانش لاہور کے زیر اہتمام دسمبر ۱۹۵۹ میں پشاور سے ۵۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔ انتساب جناب جہاں زیب فرمانروائے ریاست "سوات" کے نام ہے۔ کتاب میں ان کی تصویر بھی شامل ہے۔

اگرچہ یہ غزلیہ شعری مجموعہ ہے لیکن اس میں نظمیں، نعت، سلام اور قطعات بھی شامل ہیں۔ دیباچہ ممتاز شاعر مصطفیٰ زیدی نے لکھا ہے جبکہ نامور شاعر احسان دانش اور خاطر غزنوی کی توصیفی آرا بھی درج ہیں۔ تشکر کے تحت نصرت زیدی نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں تعاون کرنے والے دوستوں اور اپنے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا ہے جبکہ شعر و ادب کے زیر عنوان انھوں نے اپنے شعری سفر اور شعر و ادب سے متعلق اپنے خیالات قلم بند کیے ہیں۔

حرفِ قدس

نصرت زیدی کا دوسرا شعری مجموعہ اپریل ۲۰۰۶ میں "حرف قدس کے نام سے شائع ہوا۔ اس کی اشاعت ایس ٹی پرنٹر گوالمنڈی راولپنڈی کے زیر اہتمام عمل میں آئی۔ یہ مجموعہ حمد و نعت اور مناقب پر مشتمل ہے۔ انتساب آئمہ معصومین کے نام ہے۔ پیش لفظ ممتاز شاعر اور ذاکر اہل بیت علامہ طالب جوہری نے لکھا ہے جبکہ افتخار عارف کی توصیفی رائے بھی شامل ہے۔ "چیدہ چیدہ باتیں" کے عنوان سے نصرت زیدی نے اہل بیت سے اپنی محبت اور عقیدت کے ذکر کے ساتھ ڈائریکٹر خانہ فرہنگ ایران جناب مہرداد رخشندہ اور اپنے دوست معروف شاعر محبوب ظفر کا خصوصی شکریہ بھی ادا کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک حمد، چودہ نعتیں، سید الاولیا حضرت علیؑ اور ان کے خانوادہ کی بارگاہ میں ۱۲ مناقب کی صورت

حرفِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ سات قطعات کی صورت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی مدح سرائی کا اعزاز بھی حاصل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۲ سلام بھی شامل ہیں جن میں شہدا کربلا کو خراج عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ فلسفہ کرب و بلا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں چار نظمیں اور ایک نوحہ بھی شامل ہے۔ علامہ طالب جوہری اور افتخار عارف کی آرا سے منتخب پیراگراف کو بیک فلیپ کی صورت شائع کیا گیا ہے۔ اس کے اب تک چھ ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔

حرف وصدا

نصرت زیدی کا تیسرا شعری مجموعہ اکتوبر ۲۰۱۱ میں ''حرف وصدا'' کے نام سے ایس ٹی پرنٹر گوالمنڈی راولپنڈی سے شائع ہوا۔ اس کتاب کا انتساب مصطفی زیدی، قیصر زیدی اور ضمیر حسن شرق کے نام ہے۔ پیش لفظ نصرت زیدی نے خود لکھا ہے جس میں اپنے سوانحی حالات، کتب کی تفصیل اور اساتذہ کے تذکرے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ فلیپ کی عبارتیں علامہ طالب جوہری، افتخار عارف، پروفیسر نظیر صدیقی اور ڈاکٹر محمد میاں صدیقی نے لکھی ہیں۔ یہ ایک متنوع مجموعہ ہے جس میں غزلوں کے ساتھ نظمیں، قطعات کے ساتھ ساتھ مختلف شخصیات سے اظہار عقیدت کے طور پر نظمیں شامل ہیں۔ اس مجموعہ کے بھی پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

تبصرہ وتجزیہ

''تبصرہ وتجزیہ'' نصرت زیدی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۱ میں مارشل پریس راولپنڈی سے شائع ہوا۔ اس کا انتساب انھوں نے والدہ سیدہ مشبری بیگم اور والد سید سراج الحسن مرحوم کے نام کیا ہے۔ پیش لفظ ڈاکٹر قاضی عبدالقادر نے تحریر کیا ہے جبکہ ڈاکٹر توصیف تبسم، پروفیسر مشکور حسین یاد اور سلطان رشک کی توصیفی آرا بھی شامل ہیں۔ اس کتاب میں نصرت زیدی کے وہ مضامین شامل ہیں جو انھوں نے کتابوں کی تقاریب رونمائی یا ریڈیو پر تبصرہ کی صورت پیش کیے۔ جن کتابوں پر مضامیں شامل ہیں ان میں ادبی جائزے (ڈاکٹر قاسم جلال)، صبح کی مانند تیرا نام (ڈاکٹر عالیہ امام)، فغانِ غالب (بریگیڈیئر گلزار)، صندل میں سانسیں چلتی ہیں (بشریٰ رحمن)، فلیپ آدھا چاند (راشد امین) شہیدِ سم (جنرل محمود الحسن)، خونِ حسین (عزیز ملک)، رات، ہوا، چراغ (تابش الوری)، زخم بھرتے

نمیں (سید عارف)، وجدان (ڈاکٹر مشاہد رضا)، عقیدت (شمیم بلتستانی)، سیلف میڈ (قیصر زیدی) اور تفہیم الحسینؑ (شعیب جاذب) شامل ہیں۔اس کے علاوہ تنقید کا سیاسی مزاج، میرا بھائی میرا دوست (مصطفیٰ زیدی) کے نام سے مضمون بھی درج ہیں۔حرف نمو (طالب جوہری) پر ڈاکٹر محمد میاں صدیق کا ایک مضمون بھی اس کتاب کا حصہ ہے لیکن شمولیت کی وجہ سمجھ نہیں آسکی۔آخر میں نصرت زیدی کے لیے ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کا منظوم نذرانہ عقیدت درج ہے۔

انتخاب کلام مصطفیٰ زیدی

اردو کے نامور شاعر مصطفیٰ زیدی کے منتخب کلام کا یہ مجموعہ نصرت زیدی نے ۲۰۰۹ میں ترتیب دیا جسے الحمد پبلی کیشن لاہور نے زیور طبع سے آراستہ کیا۔اس انتخاب میں مصطفیٰ زیدی کی تقریباً تمام مشہور اور اہم تخلیقات شامل ہیں۔غزلوں اور نظموں کے اس انتخاب کے بیک کور فلیپ پر جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری اور فیض احمد فیض کی آرا درج ہیں، جبکہ اندرونی فلیپ پر مصطفیٰ زیدی کی دو سدا بہار غزلیں درج ہیں۔

انتخاب تقاریر حافظ کفایت حسینؒ

یہ کتاب معروف مذہبی سکالر علامہ حافظ کفایت حسین کے مجموعہ تقاریر ''کفایت الواعظین '' کا انتخاب ہے، جسے الحمد پبلی کیشن لاہور نے شائع کیا۔اس کی تدوین سید مسرور زیدی نے کی جبکہ انتساب امام محمد باقرؑ کے نام ہے۔تشکر کے زیر عنوان نصرت زیدی نے ''کفایت الواعظین'' کے ناشر سید حسن مہدی اور ڈاکٹر افضال حسین کا شکریہ ادا کیا ہے تاہم علامہ کفایت حسین کی بابت کوئی معلومات درج نہیں کی گئیں۔اس انتخاب میں علامہ کفایت حسین کی ۱۴ تقاریر شامل ہیں جن کے موضوعات وجود باری تعالیٰ، قرآن اور رسالت مآب ﷺ، شانِ نبوت، فضائل قرآن، کتاب فطرت، ضرورت اطاعت رسول ﷺ۔اسوہ رسول کریم ﷺ، سیرت باطنی، درود و سلام، ارفع و اعلیٰ گھر اور دیگر شامل ہیں۔بیک ٹائٹل پر علامہ کفایت حسین کی تصویر موجود ہے۔

یاد کرے گی دنیا (مشاہیر ادب اور مصطفیٰ زیدی)

ممتاز شاعر مصطفیٰ زیدی کی حیات اور فن پر منتخب مضامین سے آراستہ، نصرت زیدی کی تحقیق و

تدوین اور ترتیب شدہ یہ کتاب ۲۰۱۷ میں الحمد پبلی کیشن لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔پیش لفظ کے طور پر نصرت زیدی نے چند سطور لکھی ہیں جو اس کتاب میں شامل مضامین کے تناظر میں ہیں۔نصرت زیدی نے مصطفیٰ زیدی کا سوانحی خاکہ بھی ترتیب دیا ہے جو تعارف کے تحت شامل کتاب ہے۔مصطفیٰ زیدی کے ابن انشا کے نام لکھے گئے ایک خط کا اقتباس بھی درج ہے جس سے مصطفیٰ زیدی کے نظریہ شعر وفن پر روشنی پڑتی ہے۔اس کے علاوہ مصطفیٰ زیدی کے فن وشخصیت پر جن ادیبوں کے مضامین شامل ہیں ان میں جوش ملیح آبادی،فراق گورکھپوری،احسان دانش،مجید امجد،فیض احمد فیض،سبط حسن،احمد ندیم قاسمی،ابن انشا،عبدالرحمن چغتائی،سجاد باقر رضوی،قتیل شفائی،ڈاکٹر فرمان فتح پوری،محمد علی صدیقی،مرزا ادیب اور محسن بھوپالی سمیت کئی نامور ادیب شامل ہیں۔

کلیاتِ مصطفیٰ زیدی

معروف شاعر مصطفیٰ زیدی کا کلیات بھی نصرت زیدی نے ترتیب دیا ہے جسے ''کلیاتِ مصطفیٰ زیدی'' کے نام سے الحمد پبلی کیشن لاہور نے ۲۰۱۷ میں شائع کیا۔اس کلیات میں مصطفیٰ زیدی کے چھ شعری مجموعے ''روشنی''،''شہرآذر''،''گریباں''،''قبائے ساز''،''موج مری صدف صدف''اور''کوہ ندا'' شامل ہیں۔مصطفیٰ زیدی کے اولین شعری مجموعہ ''زنجیریں'' اس کلیات میں شامل نہیں اور عدم شمولیت کی کوئی وجہ بھی بیان نہیں کی گئی۔''زنجیریں'' ان کے قطعات کا مجموعہ ہے جس کا پیش لفظ فراق گورکھپوری نے لکھا تھا۔پیش لفظ کے طور پر مصطفیٰ زیدی کا تعارف نصرت زیدی نے تحریر کیا ہے۔

انتخاب کلام مصطفیٰ زیدی

نامور شاعر مصطفیٰ زیدی کے منتخب کلام کا یہ مجموعہ نصرت زیدی نے ترتیب دیا جسے نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد نے ۲۰۱۸ میں اہتمام سے شائع کیا۔یہ پاکٹ سائز انتخابِ سخن ہے جو نیشنل بک فاؤنڈیشن کے خصوصی اشاعتی منصوبے کے تحت منظر عام پر آیا ہے۔اس انتخاب میں بھی نصرت زیدی نے مصطفیٰ زیدی کا ایک کڑا انتخاب پیش کیا ہے۔

☆☆☆

باب۔(۳)

نصرت زیدی کی غزل

غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا جاتا ہے۔کئی دہائیوں کے سفر کے باجود کوئی اور صنف سخن اس کا مقابلہ نہیں کر سکی ہے نہ ہی اس کی مقبولیت میں کمی ہوئی ہے۔اس صنف نے ولی دکنی سے لے کر آج تک سینکڑوں لکھنے والوں کو شہرت و عزت عطا کی ہے اور لاکھوں پڑھنے والوں کے لیے تسکین ذوق کا سامان فراہم کیا ہے۔سید نصرت زیدی نے جب شعر گوئی کا آغاز کیا،اس وقت اردو شعر و ادب کی دنیا میں فانی،یگانہ، جگر اور حسرت جیسے شعرا کا چرچا تھا،جنھوں نے کلاسیکی روایت کے ساتھ ساتھ جدید غزل کی پرورش میں بھی اہم کردار ادا کیا۔اس زمانے میں ہی ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ساحر،فیض،مجروح،اور احمد ندیم قاسمی جیسے شعرا سامنے آئے۔جدید غزل کو پروان چڑھانے کے لیے فراق،ناصر کاظمی،منیر نیازی،شکیب اور دوسرے شعرا آگے بڑھے۔نصرت زیدی نے کسی ایک کا اثر قبول کرنے کی بجائے ہر دو مکاتب فکر سے استفادہ کیا اور اپنی غزل کی بنیاد رکھی۔اس سفر کے آغاز میں انھیں احسان دانش اور مصطفی زیدی جیسے باکمال لوگوں کا ساتھ مل گیا جنھوں نے نصرت زیدی کی رہنمائی کی۔اس بات کا اعتراف نصرت زیدی نے یوں کیا ہے۔

> ''میرے اشعار کی نوک پلک سنوارنے میں حضرت احسان دانش کو میرے اُستاد کی حیثیت حاصل ہے،میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا''(۱)

نصرت زیدی کی غزل اگرچہ روایت ہی کی نمائندہ ہے لیکن انھوں نے جدید غزل کے مضامین و مفاہیم کو بھی برتا اور ذات کے علاوہ کائنات کو بھی موضوع بنایا۔معاملات حسن و عشق کے ساتھ ساتھ سماجی و معاشرتی مسائل بھی ان کی شاعری میں دیکھے جا سکتے ہیں۔نئی شاعری سے آشنائی کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں

> ''مصطفی زیدی سے میں نے جدید شاعری کے اسرار و رموز اور تکنیک سے آشنائی حاصل کی اور شاعری کے متعلقات کو سمجھا''(۲)

کلاسیکی روایت سے آگاہی اور جدید غزل سے آشنائی نے نصرت زیدی کی غزل کو پرتاثیر بنادیا۔
نامور شاعر افتخار عارف کہتے ہیں

> ''وہ عہدِ حاضر کے ان لائقِ تعظیم شعرا میں ہیں کہ جو عصری حسیت کے ساتھ کلاسیکی اسالیبِ سخن پر بھی کامل دسترس رکھتے ہیں اور اس معتبر روایت کو ثروت مند بنا کر اپنے تخلیقی جوہر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔''(۳)

نصرت زیدی کی غزل غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی ہم آمیزی سے آگے بڑھتی ہوئی حیات و کائنات کے معاملات و مسائل کی آئینہ دار بنتی جاتی ہے۔ ہر بڑے اور اہم شاعر کا کلام معاشرتی، سماجی اور کائناتی رنگوں سے مزین ہوتا ہے، انسان کو درپیش مسائل بیان کرتا ہے، فکر و خیال کے چمن آباد کرتا ہے، صحرا میں پھول کھلاتا ہے اور دشت کو گلزار بناتا ہے۔ نصرت زیدی ایسے ہی شعرا میں شامل ہیں۔ علامہ طالب جوہری لکھتے ہیں

> ''نصرت زیدی کی غزلوں میں اگر غمِ جاناں کی بسر کی ہوئی راتوں کا ذکر ہے تو اس کے ساتھ ہی غمِ دوراں کے کسیلے دن بھی ہیں اور بہت سے مقامات پر حیات وکائنات کے دقیق مسائل پر سوالیہ نشانات بھی ہیں، معاشرت و عمرانیات پر استعجاب اور طنز بھی ہے۔''(۴)

رنگِ تغزل

نصرت زیدی چونکہ کلاسیکی روایت سے کامل آگاہی رکھتے تھے، اس لیے انھوں نے غزل کے بنیادی وصف یعنی تغزل کا خیال رکھا۔ تغزل، غزل کا وہ رنگ ہے جو قاری کو لطف و مسرت بہم پہنچاتا ہے۔ تغزل کے حوالے سے پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں

> ''تغزل (Lyrical) ایک شعری اصطلاح ہے۔ تغزل اس کیفیت کا نام ہے جو شاعری میں لطف و اثر اور حسن و درد پیدا کرتی ہے۔ تغزل کی اصطلاح خالصتاً مشرقی ہے، لیکن اس کے خدوخال کی تلاش مغربی غزل کے وہ باطنی محاسن جو پڑھنے والے کی طبع میں ایک وجد آفریں کیفیت پیدا کرتے ہیں اور وہ جھوم جھوم جاتا ہے، ان کی شناخت ایک لحاظ سے مشکل ہے۔ اسلوبِ بیاں، لب ولہجہ،

پیرایہ غزل، خیال انگیزی، غنائی کیفیت، بلاغت کا حسن اور تنظیمی جمال وہ عناصر
ہیں جو غزل کو رعنائی دیتے ہیں۔ ان کا مجموعی تاثر ''تغزل'' کہلاتا ہے۔ تغزل
خالصتاً شعر کا درونی حسن ہے اور اس کا تعلق قاری کے ذوق اور جمال آشنا طبیعت
سے ہے، یعنی یہ تمام عناصر مل کر قاری کو جمالیاتی آسودگی دیتے ہیں۔''(۵)

اس رائے کی روشنی میں جب ہم نصرت زیدی کی غزل کو دیکھتے ہیں تو ایک مکمل تصویر معلوم ہوتی ہے۔ ایسی تصویر جو حسن بیان کی آئینہ دار ہے، جو خیال انگیزی، رعنائی اور بلاغت کی امین ہے اور جو قاری کے ذوق کی تسکین کا سامان کرتی نظر آتی ہے

برسوں میں یہ دن آئے ہیں اک رات بہم اور
اب کیسا تکلف ہے نہ تم اور نہ ہم اور

--

شباب پر ہے فراوانیٔ جنوں نصرتؔ
الجھ پڑیں نہ کہیں دامنِ بہار سے ہم

--

اے جنوں تُو اگر سلامت ہے
ہم سہیں گے ہر اک ستم تنہا

--

تری نگاہ کی اللہ رے فسوں کاری
کبھی ہے دل کے لیے زخم اور کبھی مرہم

--

کبھی آنسو، کبھی شعلہ، کبھی شبنم، کبھی پھول
ایک عنواں تو نہیں عشق کے افسانے کا

--

دل کی بستی اجاڑنے والے
یہ بڑی مشکلوں سے بستی ہے

--

دور تو ہر گز نہ تھی منزل پہ ایں عزمِ سفر
شوقِ منزل ہم تری وارفتگی دیکھا کیے

--

اس کو اک تعلق تھا ہم سے کچھ دنوں پہلے
ذکر اس حوالے سے ہے کہاں کہاں اپنا

--

رنگ آنچل کا ترے قوسِ قزح میں دیکھوں
تیری خوشبوئے بدن بادِ صبا دے مجھ کو

--

کبھی اسی کی تمنا کبھی اسی سے گریز
یہ داستانِ سر آشفتگاں بھی کیا کہیے

--

ہم جنوں پیشہ ہیں اور بولہوسی چاہتی ہے
شعلہِ عشق چراغِ تہِ داماں ہو جائے

یہ اور اس طرح کے دیگر کئی اشعار جوان کے مجموعہ ہائے کلام میں درج ہیں، تغزل سے لبریز ہیں۔ اس تغزل میں کلاسیکی روایت تو سانس لیتی محسوس ہوتی ہے لیکن کسی ایک شاعر کا رنگ نظر نہیں آتا۔ یہ کمال نصرت زیدی کی ذاتی کاوش وکوشش کا نتیجہ ہے یا ایسا خود بخود ہوا۔ اس بارے میں کوئی واضح اشارہ تو موجود نہیں تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا انھوں نے خود کیا ہوگا تا کہ کسی دوسرے شاعر کی چھاپ محسوس نہ ہو۔

یہ کلاسیکی روایت کی دین ہے کہ ان کے ہاں پہلے سے پیش کردہ خیالات نظر آتے ہیں لیکن نیا پہلو نکالنے کا کمال نصرت زیدی نے ضرور کیا ہے۔ پھر ان خیالات کو بیان کے سلیقے نے جو حسن عطا کیا ہے وہ انھی کا خاصا ہے۔ نصرت زیدی کے ہاں دہلی اور لکھنو کے رنگِ تغزل کا حسین امتزاج ملتا ہے اور داخلیت کے ساتھ خارجیت کی ہم سفری سے ایک جدگانہ لطف پیدا ہو گیا ہے۔

کیا بتلائیں یاد نہیں کب عشق کے ہم بیمار ہوئے
ایسا لگے ہے عرصہ گزرا ہم کو یہ آزار ہوئے

--

آپ کا شکوہ آپ سے کرنا جوئے شیر کا لانا ہے
آپ کے سامنے کیسے بولوں آپ مری سرکار ہوئے

--

ہر قدم پہ فریب کھاتا ہے
عشق کی سادگی نہیں جاتی

--

شہر در شہر گئی قریہ بہ قریہ پہنچی
یہ مری دشت نوردی مجھے رسوا کرنے

--

اب نہ وہ صبحِ طرب ہے نہ حسیں راتیں ہیں
بام و در سے غمِ فرقت میں تری باتیں ہیں

--

دل کے ہر ایک زخم کی مہکار ہے الگ
کیا کیا بہار ہے دلِ ویراں لیے ہوئے

--

جو دیکھ لے اسے دریا میں غسل کرتا ہوا
کہے زمانہ کھلا ہے گلاب پانی میں

--

کیوں آئینہ دیکھا تھا جو شرمائے ہوئے ہو
ہم سے بھی کہو آئینے میں کیا نظر آیا

--

پوچھے ہے ہر ایک گام پہ واماندگی شوق
آنچل کی ترے نرم ہوا کس کے لیے ہے

اسلوب

نصرت زیدی نے بھی دیگر سینکڑوں شعرا کی طرح روایت کا علم بلند کیا ہے۔ مضامین کی تلاش میں انھوں نے جدت کو بھی سامنے رکھا ہے اور پرانے خیالات کو بھی برتا ہے۔ تراکیب سازی، تشبیہ و استعارہ، جذبہ و احساس، فکر و خیال حتیٰ کہ کلاسیکی شعرا کی زمینیں بھی استعمال کی ہیں اور نئی زمینیں، نئی تراکیب، نئے استعارے، نئی علامتیں بھی وضع کی ہیں۔ ڈاکٹر ناظم علی لکھتے ہیں

> ''شعری اسلوب شاعری میں اظہار جذبات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں بلیغ ابہام ہوتا ہے۔ لطیف نغمگی ہوتی ہے۔ اور ایک ایسی ماورائی کیفیت ہوتی ہے جو قاری کے لیے وجدان کا تاثر پیدا کرتی ہے۔ اگر شاعری میں لطیف اور مترنم اسلوب اختیار نہ کیا گیا ہو تو شاعر کو کامیابی حاصل ہونے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔(۶)

نصرت زیدی نے جذبہ و احساس کے بیان میں لطافت اور تاثیر کا خیال رکھا ہے۔ اس لیے ان کے اشعار میں روایت اور جدت کی ہم رکابی نے ان کے انداز بیان کو لطیف بھی بنایا ہے اور دل نشیں بھی۔ اسلوب کی یہ چاشنی بہت کم شعرا کے ہاں دیکھنے کو ملتی ہے

کٹ گئیں آنکھوں میں کتنی راتیں
دل سے کہتے ہوئے افسانہ دل

--

نصرتؔ بجز اپنے کہیں صحرائے وفا میں
پایا نہ بگولوں نے کوئی نقش قدم اور

--

خیال تھا کہ تمہیں دیکھ کر سکون ہو گا
تم آ گئے تو ہوئے اور بے قرار سے ہم

--

بہ صد کوشش نہ آئی جو زباں پر
نظر نے بات وہ اکثر کہی ہے

--

رند کعبے کا ہے پیرو نہ صنم خانے کا
کلمہ پڑھ لیتا ہے ساقی ترے میخانے کا

--

ہم تو لہر کی صورت ضم ہوئے ہیں دریا میں
کیا کسی کو بتلائیں نام اور نشاں اپنا

--

اب شیشہ و ساغر کیا کیجے، اب جام و سبو کی کیا حاجت
مخمور نگاہیں ساقی کی گردش میں ہیں پیمانوں کی طرح

--

جو نظر سے نظر ملا نہ سکے
وہ بھلا ہم سے بات کیا کرتے

--

بے اختیار آئی جو نصرتؔ کسی کی یاد
آنسو چھلک پڑے غم پنہاں لیے ہوئے

--

حضور دوستاں نصرتؔ ہمارا
بھرم رکھا غرور مفلسی نے

اسلوب چونکہ اپنی بات ایسے انداز سے بیان کرنے سے عبارت ہے جو دل نشیں بھی ہو اور کسی حد تک منفرد بھی ۔ اس ضمن میں نصرت زیدی نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ان کی بات منفرد ہو نہ ہو دل نشیں ضرور ہونی چاہیے ۔ مندرجہ بالا اشعار اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ اس کوشش اور کاوش میں بہت

کامیاب رہے ہیں۔ روایت اور جدت کا امتزاج نصرت زیدی کا امتیازی وصف بن گیا اور ان کی غزل ایک باوقار تخلیق کا روپ دھار کر شائقینِ ادب سے داد وصول کرنے لگی۔ اسی لیے نصرت زیدی کو اپنے اسلوب پر ناز بھی تھا

صرف اک نغمگی، اشعار کا معیار نہیں
ناقدو تم مرا اسلوبِ سخن بھی دیکھو

زبان و بیان

نصرت زیدی نے جس روایت سے کسبِ فیض کیا تھا، اس میں زبان و بیان کی صفائی اور شائستگی کا بہت خیال رکھا گیا۔ بعض شعرا نے تو صرف زبان پر ہی توجہ مرکوز رکھی اور اس کی تراش خراش میں اپنی زندگیاں لگا دیں۔ اس حوالے سے امام بخش ناسخ، آتش اور داغ کی کوششوں کا ایک زمانہ معترف ہے۔

نصرت زیدی نے بھی زبان و بیاں کے حسن کو معدوم نہیں ہونے دیا۔ وہ چونکہ خود ایک تہذیبی شخصیت تھے، اس لیے زبان کے معاملے میں بھی تہذیب کا بہت خیال رکھتے تھے۔ فارسی تراکیب شوق سے استعمال کرتے مگر شعر کو بوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ روزمرہ کا بھی خیال رکھتے تشبیہ و استعارہ سے خوب کام لیتے رہے۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ انھوں نے اپنے شعر کو تاثیر سے خالی نہیں ہونے دیا۔ سادگی اور سہلِ ممتنع کے نمونے بھی ان کلام میں موجود ہیں اور یہ سادگی سادہ بیانی نہیں پرکاری سے مملو ہے۔

اک جہاں دیر و حرم کی کشمکش میں رہ گیا
رہبرِ میخانہ تری جلوہ گری دیکھا کیے

--

کیسی کیسی شکل دکھا کر کیا کیا جوت جگائی ہے
دیکھنے والو یہ تو دیکھو آئینہ ہرجائی ہے

--

ایک بس اس کے تذکرے کے سوا
اور سب کچھ برا لگے ہے مجھے

--

سادہ لوح تو کوئی اہلِ جنوں کی دیکھے
دل کی تسکین کو آئے ہیں دلِ آزار کے پاس

--

کہنا تھا فقط یہ کہ ہمیں تم سے ہے نسبت
ناراض جو ہوتے ہو تو اچھا نہیں کہتے

--

کس بات پہ تم ترکِ ملاقات کرو ہو
ہم ڈرتے ہیں جس بات سے وہ بات کرو ہو

--

ہر قدم پر فریب کھاتا ہے
عشق کی سادگی نہیں جاتی

--

یہ کیسی مسافت ہے کہ اب اپنے ہی گھر میں
حالت مری بکھرے ہوئے ساماں کی طرح ہے

--

حال جو کچھ ہے کسی سے وہ بیاں کیا ہوگا
ہم کہیں گے تو اسے جانے گماں کیا ہوگا

--

دوستو اس کا ذکر کرنے سے
درد میں کچھ کمی ہوئی تو سہی

--

گھر مرا جل گیا تو کیا غم ہے
شہر میں روشنی ہوئی تو سہی

--

تو خفا ہے تو زمانہ بھی خفا ہے ہم سے
ورنہ شکوہ ہے کسی کو نہ گلہ ہے ہم سے

--

گراں گزرے نہ محفل میں کسی پر اس لیے ہم دم
حقائق کو بہ رنگِ داستاں کہنا بہ پڑتا ہے

--

یہ کون قافلہ دریا پہ رہ گیا پیاسا
کہ موج موج کو ہے اضطراب پانی میں

--

کچھ اور نام ہی رکھیئے وہ آرزو تو نہیں
زیاں نہ دل کا ہو جس میں وہ آرزو تو نہیں

زبان و بیان کی صفائی نے نصرت زیدی کے کلام کو جہاں دل کشی عطا کی وہیں اسے تاثیر کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے۔ زبان کی سلاست اور حلاوت کلام کی ایسی صفات ہیں جو اسے مقبول عام بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ نصرت زیدی کی غزل ان صفات سے مزین ہے۔

تصورِ حسن

اردو غزل میں حسن کا تصور بہت حد تک خیالی ہے۔ شعرا کی اکثریت نے خیالی محبوب کے حسن کی تعریف کو ہی غزل کا موضوع بنایا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں

"جب محبوب کا دیدار تک شاعر کو ہونا مشکل ہو تو بھلا وہ اس کے حسن کا تذکرہ کیسے کرے، اس کا احساس اس کے ہاں شدید کیسے ہو۔ مخصوص معاشرتی ماحول محبوب کو سامنے نہیں آنے دیتا، شاعر کو صرف جھلک نظر آجاتی ہے اور وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ہجر و فراق کے صدمے سہتا ہے، اس لیے اس کی نوعیت خیالی ہو جاتی ہے۔"(۷)

نصرت زیدی کا تصورِ حسن خیالی نہیں حقیقی ہے۔ انھوں نے ایک حقیقی محبوب کے حسن کی تعریف کی

ہے، اور اس سے ہی معاملہ بندی کو موضوع بنایا ہے

رہنے بھی دو کھلے ہوئے گیسوئے عنبریں
یہ عطر بیزیاں کہاں پھولوں کی باس میں

--

تری نگاہ کی اللہ رے فسوں کاری
کبھی ہے دل کے لیے زخم اور کبھی مرہم

--

نفَس ہے کہ خوشبو کہ رگِ جاں کی طرح ہے
وہ نیم نگاہی کہ جو پیکاں کی طرح ہے

--

یہ مہ و نجوم و شبنم یہ شفق یہ لالہ و گل
نظر آ رہے ہیں ہر سو وہ نقابِ رخ بدل کے

--

اس کے آنچل کی جو خوشبو کہیں آ جائے تو لوگ
نکہتِ نافۂ آہوئے ختن کو بھولیں

--

پا بستۂ زنجیرِ جنوں ہو کے رہے گا
جس کو تری زلفوں کی شکن یاد رہے گی

--

رنگ آنچل کا ترے قوسِ قزح میں دیکھوں
تیری خوشبوئے بدن بادِ صبا دے مجھ کو

--

لہراؤ ہو زلفوں کو جو رہ رہ کے جبیں پر
کرتے ہو کبھی دن تو کبھی رات کرو ہو

--

جو زلف جبیں پر تری برہم بھی نہیں ہے
اس زلف کا کچھ دل پہ اثر کم بھی نہیں ہے

حسن کی تعریف میں نصرت زیدی کے یہ اشعار ان کے پاکیزہ ذوق، ایک حد میں رہ کر بات کرنے اور تہذیب کا دامن تھام کر چلنے کے آئینہ دار ہیں۔ بے راہ روی، عریانی اور بے ہودہ گوئی سے پاک کلام شاعر کے صاف ستھرے اور نتھرے ہوئے مزاج کا عکاس ہے۔

تصورِ عشق

نصرت زیدی کی غزل اس بازاری پن اور جنسی ہوسناکی سے پاک ہے جو آج کل رواج پا گئی ہے۔ ایک تہذیب، رکھ رکھاؤ، پاکیزگی اور طہارت وہ اوصاف ہیں جن سے نصرت زیدی کی غزل ہزاروں میں پہچانی جاتی ہے۔ ان کا مزاجِ غزل حسرت موہانی جیسا ہے، جو اخلاقی اقدار کو پامال نہیں ہونے دیتے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں

"داغ کا محبوب طوائف ہے لہذا محبت کا سارا کاروبار تصنع سے لبریز ہے۔ یہ تصنع محبوب کے رویے ہی سے نہیں عاشق کے رویے سے بھی مترشح ہے۔ وجہ یہ ہے کہ طوائف کی طرح عاشق زار کی محبت بھی چھیڑ چھاڑ، فقرہ بازی اور فحش اشاروں ہی سے مرتب ہوتی ہے۔ دوسری طرف حسرت موہانی کا محبوب متوسط طبقے کی وہ لڑکی ہے جو صاف چھپتی بھی نہیں سامنے آتی بھی نہیں، کے مصداق محبت تو کرتی ہے لیکن کھلے بندوں اس کا اقرار اس لیے نہیں کرتی کہ ابھی پرانی قدروں کے احترام نے اس کی آنکھوں میں حیا کی رمق باقی رکھی ہوئی ہے۔" (۸)

حسرت موہانی کی طرح نصرت زیدی کا محبوب بھی شرم و حیا کی پاسداری کرنے والا ہے۔ پرانی اقدار کا احترام ابھی اس کی نگاہ میں اہمیت رکھتا ہے۔ محبوب کے یہی اوصاف نصرت زیدی کی غزل میں راہ پاتے دکھائی دیتے ہیں اور ان کا تصورِ عشق کو واضح کرتے چلے جاتے ہیں

ہم جنوں پیشہ ہیں اور بوالہوسی چاہتی ہے
شعلۂ عشق چراغِ تہِ داماں ہو جائے

--

عشق کیا ہے یہ ہمیں اہلِ جنوں جانتے ہیں
عقل کب سوچتی ہے سود و زیاں سے آگے

--

دل دھڑکتا ہے اس کے نام کے ساتھ
عشق کی ابتدا لگے ہے مجھے

--

عاشقی تو نے سکھایا ہم کو
بے خبر ہو کے خبر میں رہنا

--

عشق اک سمندر ہے جانے ہم پہ کیا گزرے
فن ہمیں نہیں آتا ڈوب کر ابھرنے کا

--

ماہتاب کب جانے میرے بام پر اترے
صحن منتظر میرا چاندنی اترنے کا

--

کوئی پیغام کسی کا نہ کسی کی خوشبو
اب ہوا بھی تو مرے صحن سے گزری خاموش

--

حال جو کچھ ہے کسی سے وہ بیاں کیا ہوگا
ہم کہیں گے تو اسے جانے گماں کیا ہو گا

--

بارہا تو نے بھی تو دیکھا ہے تری محفل میں
میرا ہونا کسی دیوار کی تصویر ہوا

--

ہم بے سبب نہیں ہیں لبوں کو سیئے ہوئے
آنکھیں ہیں اشکِ خونِ تمنا لیے ہوئے

یہ اشعار اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ نصرت زیدی نے نہ صرف یہ کہ ایک جیتے جاگتے انسان سے محبت کا دم بھرا ہے بلکہ وہ کائنات کے دیگر مظاہر سے بھی محبت کرتے ہیں۔ان کی غزل اس بات کی شاہد ہے کہ شاعر حسن کے ہر مظہر سے پیار کرتا ہے، یہ حسن انسان میں ہو یا فرشتے میں، بہار میں ہو یا خزاں میں، اظہار میں ہو یا خاموشی میں، جذبے میں ہو یا خیال میں، تجسیم میں ہو یا تجرید میں، شاعر ایک غیر مرئی تار کے سہارے بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے:۔

کبھی آنسو کبھی شعلہ کبھی شبنم کبھی پھول
ایک عنواں تو نہیں عشق کے افسانے کا

رنگِ مزاحمت

اردو شاعری نے ہر دور میں آزادی اور جمہوریت کی بحالی کی تحریکوں کا ساتھ دیا ہے۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ نظیر اکبرآبادی اور اکبرالہ آبادی نے اپنے شعروں میں جس ادبی روایت سے بغاوت کا علم بلند کیا وہ دراصل بیرونی تسلط سے آزادی کے تحریک تھی۔علی گڑھ کی تحریک کے زیر اثر حالی اور شبلی نے ادب میں مزاحمت کو پروان چڑھایا۔اقبال، ساحر، بسمل، جوش، چکبست، درگاہ شاہی، ظفر علی خان، حسرت موہانی، برج نرائین، سمیت کئی معروف و گمنام شعرا انگریزوں سے آزادی کی اس تحریک میں ایک جاندار آواز کے طور پر شامل رہے۔

ترقی پسند تحریک بھی حقیقت میں مزاحمتی تحریک تھی جس نے اردو شعر و ادب کو ایسے لکھنے والے عطا کیے جو اس کی آبرو بن گئے۔ پریم چند، ساحر، فیض، فراز، منٹو، جوش، شوکت صدیقی اور کئی دیگر لکھنے والوں نے اردو ادب کا مان بڑھایا۔اردو کے نامور شعرا کے چند اشعار دیکھیے جو مزاحمت اور احتجاج کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں
اکبرالہ آبادی

گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقین سے
کنجشک فرو مایہ کو شاہیں سے لڑادو
علامہ اقبال

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا
ساحرلدھیانوی

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے
بسمل عظیم آبادی

اسی طرح ہر عہد میں شعرانے ایسے جذبات واحساسات کو موضوع بنایا ہے جو انسان کے جذبہ آزادی اور دشمن کے سامنے ڈٹ جانے کے جذبوں کے عکاس ہوں۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں بھی کئی شعرا کے ہاں مزاحمت اور احتجاج کا رنگ اپنی چمک دمک دکھار ہا ہے۔

اب بوئے گل نہ باد صبا مانگتے ہیں لوگ
وہ حبس ہے کہ لُو کی دعا مانگتے ہیں لوگ
جوش

مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے
منصف ہو تو پھر حشر اٹھا کیوں نہیں دیتے
فیض

موسموں کا کوئی محرم ہو تو اس سے پوچھوں
کتنے پت جھڑ ابھی باقی ہیں بہار آنے میں
احمد مشتاق

کیا خبر تھی یہ زمانے بھی ہیں آنے والے
سوتے رہ جائیں گے سوتوں کو جگانے والے
احمد ندیم قاسمی

ہم ہیں ظلمت میں کہ ابھرا نہیں خورشید اب کے
کوئی کرتا ہی نہیں رات کی تردید اب کے

احمد فراز

مفاہمت نہ سکھا جبر ناروا سے مجھے
میں سر بکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے

عدیم ہاشمی

کیسے وہ بستیاں آباد کریں گے جن سے
در و دیوار کی عزت نہیں کی جا سکتی

جمال احسانی

اب مرے شہر کی پہچان ہے اک وعدہ شکن
شہریت بدلوں کہ تاریخ سے انکار کروں

غلام محمد قاصر

یہ اور اس طرح کے بے شمار اشعار اردو ادب کے کریڈٹ پر ہیں۔ غزل کے ساتھ ساتھ بعض شعرا بالخصوص جوش، فیض اور جالب نے نظم کے میدان میں اپنے زور قلم کو آزمایا اور "ہم دیکھیں گے"، "بول کہ لب آزاد ہیں تیرے" یا "میں نہیں مانتا" جیسی نظمیں لکھیں اور امر ہو گئے۔

مزاحمتی رنگ یوں تو قریباً ہر شاعر کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے مگر کچھ لوگوں نے اس کو خاص توجہ سے برتا ہے۔ نصرت زیدی کے ہاں بھی اس رنگ کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ تاہم نصرت زیدی نے اپنی صدائے احتجاج کو نعرہ نہیں بننے دیا۔

نصرت سنا رہا ہے زبانِ غزل میں آج
آزادیِ حیات کا پیغام دوستو

--

بنے ہوئے ہیں خداوند آج کل انساں
سوال ۔ عظمتِ یزداں ہے دیکھیے کیا ہو

--

آئین مرتب کریں اب اہلِ چمن اور
دیکھیں نہ یہ غارت گری سرو و سمن اور

--

جو ملے غیر کے سہارے سے
وہ بلندی نہیں ہے پستی ہے

--

دیوانے مایوس نہیں ہیں قفلِ زنداں ٹوٹے گا
بستی بستی صحرا صحرا شورِ سلاسل گونجے گا

--

نشہ میں اقتدار کے تم بے خبر سہی
لیکن جو ہو رہا ہے وہ سب دیکھتے ہیں لوگ

--

روش روش پہ ہے یہ حکمِ باغباں نافذ
چمن کا حال کہیں طائرِ چمن نہ کہیں

--

سیرِ گلشن کی تمنا ہے تو اے دیدۂ شوق
ایک گلزار ہے خونِ رگِ جاں سے آگے

--

تم خداوند نہ بن جانا کہیں
جامہ نوعِ بشر میں رہنا

--

شہر میں دیکھ رہا ہوں جو بھیانک منظر
سوچتا ہوں کہیں ہو جائیں نہ پتھر آنکھیں

--

کس کو ہے یہاں جراتِ اظہارِ حقائق
پوجے ہیں یہاں لوگ روایات کے پتھر

--

نارِ نمرود کبھی دار کبھی زہر کا جام
ملتے ہیں تحفۂ اظہارِ صداقت کیا کیا

--

قاضیِ شہر بھی کچھ سوچ کے ہاں مصلحتاً
عدل و انصاف میں کرتا ہے خیانت کیا کیا

--

غربت زدوں کو بات یہ معلوم ہے نصرتؔ
مانگے کا دیا گھر میں اجالا نہیں کرتا

--

ہاں وضع نہ بدلیں گے گزر جائیں گے جاں سے
اے گردشِ دوراں بڑے خود دار ہیں ہم بھی

--

ناتواں سہی لیکن ہم ہیں وہ جیالے بھی
پی لیے ہیں ہنس ہنس کر زہر کے پیالے بھی

--

اس نے ہر اک جتن کیا تذلیل کا مری
میں نے قصیدہ جب نہ کہا اس کی شان میں

یہ اشعار شاہد ہیں کہ نصرت زیدی کی صدائے احتجاج درد مندی سے لبریز ہے۔انسانی ہمدردی، خیر خواہی، جمہوریت پسندی جو انسانی معاشرے کا طرہ امتیاز ہے، نصرت زیدی ان کی بحالی اور استحکام کے تمنائی ہیں۔

صنعتِ تلمیح

شعری اصطلاح میں تلمیح سے مراد یہ ہے کہ ایک لفظ یا مجموعۂ الفاظ کے ذریعے کسی تاریخی، سیاسی، اخلاقی یا مذہبی واقعے کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اس ضمن میں پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں

> ''تلمیح کی اصطلاح علمِ بدیع کے حصے میں آئی ہے۔ کلام میں کوئی ایسا لفظ یا مرکب استعمال کرنا جو کسی تاریخی، مذہبی یا معاشرتی واقعے یا کہانی کی طرف اشارہ کرے، تلمیح ہے۔''(۹)

اس صنعت کا استعمال جہاں شعر میں حسن پیدا کرتا ہے وہیں شاعر کو اپنی بات کہنے میں سہولت بھی بہم پہنچاتا ہے کہ شاعری تو ہے ہی اشارے کی زبان، یوں کسی تاریخی واقعہ کے بیان سے شاعر اپنی فکر کو آگے بڑھاتا ہے، اپنے خیالات کو تلمیح کے پردے میں پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے

آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

حالیؔ کے اس شعر میں بظاہر حضرت یوسفؑ کے کنویں میں قید کیے جانے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن بہ باطن شاعر اپنے معاشرے پر طنز کر رہا ہے کہ جس طرح یوسفؑ کو بھائیوں نے قید کر دیا تھا یا کنویں میں پھینک دیا تھا، اسی طرح آج کل کے لوگ بھی ظالم ہیں، دوستی کے پردے میں، بھائی بن کر دھوکہ دیتے ہیں۔

نصرت زیدی بھی ایک باکمال شاعر ہیں، انھوں نے جہاں دوسری شعری صنعتوں کو خوب صورتی کے ساتھ برتا ہے، وہیں صنعتِ تلمیح کو استعمال کر کے بھی اپنی قادرالکلامی ثبوت دیا ہے۔ نصرت زیدی کے ہاں اس صنعت کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایران کے بادشاہ جمشید کے پاس ایک ایسا پیالہ تھا جس میں جھانک کر وہ واقعاتِ عالم کی جھلک دیکھ لیا کرتا تھا۔ دنیا بھر میں جمشید کے اس پیالے کی ایسی دھوم مچی کہ اسے جامِ جمشید کے ساتھ ساتھ جامِ جہاں نما بھی کہا جانے لگا۔ اردو شعر کہنے والے درجنوں شعرا نے اس پیالے کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اور کئی خوب صورت اشعار اردو شاعری کو دیے ہیں۔ نصرت زیدی نے اس واقعہ کو اس طرح شعر بنایا ہے

جامِ جمشید سے کم تر تو نہیں
اپنا ٹوٹا ہوا پیمانۂ دل

حضرت موسیٰؑ دو مرتبہ کوہ طور پر گئے۔ پہلا واقعہ تو یہ ہے جب وہ مع اہل وعیال مدائن سے مصر کی طرف واپس آرہے تھے۔کوہ طور کے قریب راستہ بھول گئے۔اسی پریشانی کے عالم میں رات پڑ گئی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس حالت میں بیوی کو دردِ زہ شروع ہوا۔ اچانک دور سے آپؑ کو آگ نظر آئی۔ چنانچہ اہل وعیال کو چھوڑ کر آگ لینے روانہ ہو گئے جبکہ دوسری مرتبہ انھیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شوق ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی اس خواہش پر ارشاد فرمایا ''ہم اپنی تجلی کا ظہور کوہِ طور پر کریں گے اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی کا ظہور کیا تو وہ پہاڑ اس تجلی کو برداشت نہ کر سکا اور پارہ پارہ ہو گیا۔حضرت موسیٰؑ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اپنی عاجزی کا اعتراف کر لیا۔

اس واقعہ کا تلمیحی استعمال شعروادب میں اس کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے کثرت سے ہوا ہے۔اس واقعہ کو شعرا نے برق طور، ارنی، لن ترانی، کلیم کہہ کر شعر میں برتا ہے۔نصرت زیدی نے بھی اس واقعہ کو مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے

حسرتِ دیدار تو بے شک بجا ہے اے کلیم
کیا نگاہِ شوق بھی رکھتے ہو جلوہ آشنا

--

آتی ہے صدا آج بھی ربِ ارنی کی
لیکن کوئی ہنگامہ سرِ طور نہیں ہے

--

موسیٰؑ پئے دیدار گئے کیوں طور پر کچھ معلوم نہیں
کیا وادیِ ایمن تک اس کی جلوہ آرائی ہے

--

ہر حسن زلیخا کی تمنا نہیں ہوتا
ہر طالبِ دیدار کو موسیٰ نہیں کہتے

اس حوالے سے مزید چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں اسلامی تاریخ کے اہم واقعات کے ساتھ ساتھ عشق ومحبت کی داستانوں کو بھی تلمیح کیا گیا ہے۔ان داستانوں میں قیس اور لیلیٰ، فرہاد وشیریں اور دیگر

داستانیں شعر میں تلمیح کی صورت بیان کی گئیں۔ حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا واقعہ قرآنِ پاک میں درج ہے۔ حضرت یوسفؑ کے کنویں میں قید ہونے اور انؑ سے زلیخا کی محبت کا بیان بھی قرآن میں موجود ہے۔ ان واقعات کو نصرت زیدی نے درج ذیل رنگوں میں تلمیح کیا ہے۔

قیدِ تنہائی ۔ یوسفؑ کا بہت ذکر سنا
اب ذرا حال زلیخا کا سنا دے مجھ کو

--

چاک دامانیٔ یوسفؑ کو کوئی نام نہ دو
کہیں یوسفؑ نہ زلیخا کا غزل خواں ہو جائے

--

مہرِ تصدیق ہوئی ایک گواہی سچی
بات اک آئی تھی یوسفؑ سے زلیخا کرنے

--

دل گم گشتہ نہ یوسفؑ کنعاں کی طرح
شہر میں کوئی ذرا چاہِ زقن تو دیکھو

--

اب وہ یوسف تو نہیں مصر کا بازار تو ہے
مول لے آؤ کوئی یوسفِ ثانی ہی سہی

--

یوں تو ہر ایک شہر میں بازار تھا مگر
یوسف ملا نہ مصر کے بازار کے سوا

--

اک عمر سے نصرتؔ سرِ بازار ۔ تمنا
اُس یوسفِ ثانی کے خریدار ہمیں ہیں

لیلیٰ اور قیس (مجنوں) بنیادی طور پر ایک عربی الاصل داستان ہے۔ اس میں بیان کردہ کردار

تاریخی طور پر درست تسلیم کیے جاتے ہیں کہ لیلیٰ مجنوں دو حقیقی شخصیات تھیں اور یہ کہ یہ داستان عشق بھی حقیقی تھی۔ اس داستان کو صدیوں سے شعر و ادب میں بیان کیا جارہا ہے۔ نصرت زیدی کا انداز بیان ملاحظہ کیجیے

قیس کا بھی افسانہ سنا اور قصہ سنا فرہاد کا بھی
اتنی بات سمجھ میں آئی نادانی دانائی ہے

--

قصرِ پرویز سے فرہاد کو اجرت نہ ملی
نجد کا دشت مگر قیس کی جاگیر ہوا

--

غبارِ دشتِ محرومی سلامت
جنوں کیوں سایۂ دیوار چاہے

--

نجد کے دشت میں رہا برسوں
قیس لیلیٰ کا ساربان میاں

حضرت سلیمانؑ اور ملکہ بلقیس کا واقعہ بھی قرآن پاک میں درج ہے۔ ملکہ بلقیس کا نام کلامِ پاک میں موجود نہیں، یہ نام توریت سے لیا گیا ہے۔ قرآن شریف میں ان کا تذکرہ بغیر نام کے ہے۔ اس کی قوم سورج کی پرستش کرتی تھی۔ سلیمانؑ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اپنے سرداروں سے مشورہ اور یہ یقین کر لینے کے بعد کہ سلیمانؑ واقعی پیغمبر ہیں، اسلام لانے کا فیصلہ کیا۔ ملکہ سبا کے سلیمانؑ کے پاس پہنچنے سے قبل سلیمانؑ نے ملکہ سبا کا تخت منگوانے کی خواہش کا اظہار کیا تو آصف بن برخیاہ جو سلیمانؑ کا وزیر تھا، نے کہا کہ میں پلک جھپکنے سے پہلے اس کو لاسکتا ہوں، تخت ان کے پاس دیکھ کر ملکہ سبا کا اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا اور وہ اپنی قوم کے ساتھ ایمان لے آئی۔

کوئی بلقیس کسی شہرِ سبا میں دیکھوں
آرزو اپنی تمنائے سلیمانؑ ہو جائے

--

بلقیس نہ ہو کوئی تو کس کام کا اپنے
وہ تخت کہ جو تختِ سلیماںؑ کی طرح ہے

ان کے علاوہ بھی کئی اشعار ایسے ہیں جو تلمیحاتی رنگ لیے ہوئے ہیں۔حضرت موسیٰ اورفرعون،فرہادوشیریں،منصور حلاج اور حضرت عیسیٰؑ کا مُردوں کوزندہ کرنا بھی نصرت زیدی کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ان واقعات کا اشعار میں بیان شاعر کے صاحب مطالعہ ہونے کی دلیل بھی ہے اور قادرالکلامی کا اظہار بھی۔

شکستِ سطوتِ فرعونِ وقت کی خاطر
ہر ایک دور میں آتا رہا ہے اک موسیٰ

--

دریا میں فنا قطرے کی مانند ہوں تجھ میں
منصور ہوں منصور کا دعویٰ نہیں کرتا

--

کسے خبر تھی بنائے گا راستہ اک دن
عصائے موسیٰ عزت مآب پانی میں

--

مانا کہ ہر اک سانس ہے اک زندگیِ نو
ہر سانس کو لیکن دمِ عیسیٰ نہیں کہتے

نصرت زیدی ایک باکمال شاعر تھے ،انھوں نے جس رنگ اور جس موضوع کو جس طرح چاہا کامیابی سے شعر بنالیا۔مصطفٰی زیدی لکھتے ہیں

"نصرت صاحب کی غزلیں ان کی نظموں سے زیادہ کامیاب ہیں،اس لیے کہ نظموں میں بہت کھل کربات کرنے سے ایک طرح کی گونج پیدا ہوگئی ہے۔"(۱۰)

شعر کہتے ہوئے نصرت زیدی نے اعتدال کا دامن تھامے رکھا۔کسی بھی شعبے میں ایک حد سے تجاوزنہیں کیا۔جب بھی لکھا سچ لکھا اور ایک حد میں رہ کر لکھا۔ڈاکٹر توصیف تبسم ان کی شعری کائنات پر اظہارِخیال کرتے ہوئے کہتے ہیں

''حسنِ توازن نصرت زیدی کی ذات کی ایسی خوبی ہے جس کی جھلک نہ صرف
ان کی نظم ونثر بل کہ ان کی گفتار میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ شعر کہتے ہیں تو خیال
اور اسلوب دونوں حدِ اعتدال سے تجاوز نہیں کرنے پاتے۔ خیال میں مبالغہ اور
اسلوب میں بلند آہنگی اُن کی طبیعت سے موافقت نہیں رکھتا۔''(۱۱)

نصرت زیدی کی غزل اپنے عصر کی ترجمان بھی ہے اور کلاسیکی روایت کی پاسدار بھی۔ انھوں نے اپنے فکر و احساس کو شعر میں منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ عصری، سماجی اور کائناتی مسائل کو بھی بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر منور ہاشمی کے بقول

''آپ بنیادی طور پر رومانوی طرزِ احساس کے شاعر ہیں مگر عصری آشوب کی
حامل کرب ناک شعری تصویریں، دوستوں کو دعوتوں پر مدعو کرنا اُن کی شخصیت کا
خصوصی حوالہ ہے۔''(۱۲)

نصرت زیدی کی شعری کائنات اپنے معاصر شعرا سے کسی قدر مختلف اور منفرد ہے۔ وہ اس لیے کہ انھوں نے بنیادی طور پر غزل نگار ہونے کے باوجود نظم بھی خوب لکھی اور حمد و نعت بھی۔ مناقب بھی لکھے اور شہدائے کربلا کے حضور ہدیہ عقیدت بھی پیش کیا، تنقید بھی لکھی اور کتب کی تدوین کا کام بھی کیا لیکن ہر میدان میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا اور کلاسیکی روایت، تہذیب اور اعلیٰ ادبی اقدار کا ہمیشہ خیال رکھا۔ ڈاکٹر نثار ترابی کہتے ہیں

''بنیادی طور پر وہ غزل کے ایسے شاعر ہیں جن کے موضوعاتی، احساساتی،
لفظیاتی سبھی سلسلے کلاسیکی شعری روایت سے جُڑے ہوئے ہیں۔ ایک ایسی
شعری روایت جو اپنی تہذیب اپنی اقدار اور اپنی زبان سے متعلق ہو، ہمیشہ ذہن
میں رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمیں اُن کی شاعری چاہے وہ نظم کی صورت میں ہو یا
غزل کی صورت میں ان اعلیٰ ادبی اقدار کے تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔''(۱۳)

☆☆☆

باب۔(۴)

نصرت زیدی کی نظم

اردو نظم کا آغاز دکن سے ہوا۔ قلی قطب شاہ جو اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر سمجھا جاتا ہے، نے غزل کے ساتھ ساتھ نظم بھی لکھی ہے۔ قلی قطب شاہ نے قصیدہ، مرثیہ اور مثنوی میں طبع آزمائی کی۔ ان کے کلام میں مختلف موضوعات پر نظمیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ انھوں نے شب برات، عید، بسنت، برسات، اور حسن وعشق وغیرہ کا بیان بڑے دلکش انداز میں کیا ہے۔

اردو نظم قلی قطب شاہ کے بعد جعفر زٹلی، شاہ حاتم اور دیگر شعرا سے ہوتی ہوئی نظیر اکبرآبادی تک پہنچی تو اسے ایک نئی روایت مل گئی۔ نظیر اکبرآبادی نے نظم کو بام عروج پر پہنچادیا۔ ان کے بعد ایک عرصہ تک نظم کو وہ توجہ نہ مل سکی جو اسے نظیر اکبرآبادی سے ملی تھی۔ الطاف حسین حالی نے اس کے لیے ساز گار فضا تلاش کی اور اقبال جیسے عظیم شاعر نے اسے چار چاند لگادیے۔

اقبال کے بعد نظم کو ایسے ایسے لکھنے والے ملے کہ اسے ادب کی دنیا میں ایک اہم مقام مل گیا۔ پھر اس میں فکر وخیال کے ساتھ ساتھ ہیئت کے تجربات بھی ہوئے اور آزاد نظم لکھی جانے لگی۔ جوش، ساحر، فیض، احمد ندیم قاسمی، علی سردار جعفری، اسماعیل میرٹھی سے آگے بڑھتی ہوئی نظم کی روایت ن م راشد، میرا جی، مجید امجد، ڈاکٹر وزیر آغا، منیر نیازی اور دیگر کئی ممتاز شعرا کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

نصرت زیدی نے غزل کے ساتھ نظم بھی کہی ہے۔ ان کی نظم پابند نظم ہے اور فکر وخیال کے اعتبار سے معاصر منظرنامے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ انھوں نے کسی خاص نکتۂ نظر کو اپنا موضوع نہیں بنایا بلکہ ذات وکائنات کے معاملات کو جیسا دیکھا ویسا ہی پیش کردیا۔ نصرت زیدی اپنی شاعری سے متعلق لکھتے ہیں:

> "میری غزلوں اور نظموں میں میرے اپنے احساسات ومشاہدات ہیں، مگر یہ مشاہدات واحساسات قدرِ مشترک رکھتے ہیں۔ اس لیے قارئین اور ناظرین یہ فیصلہ بآسانی کرسکتے ہیں کہ یہ نظمیں اور غزلیں زندگی سے کس قدر قریب ہیں"(۱)

نصرت زیدی کی شاعری سے متعلق ان کے استاد اور نامور شاعر احسان دانش کی رائے بھی دیکھیے کہ وہ کس طرح ان کی ستائش کر رہے ہیں

"غزل ہو یا نظم شروع ہی سے اپنے معانی و مطالب بتاتی ہوئی ختم ہوتی ہے اور ایسی تشنگی ناظر محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے ناظر کتاب ختم کر کے ہی دم لیتا ہے۔"(۲)

قومی اور ملی جذبات:

نصرت زیدی کے ہاں واقعاتی نظمیں بھی ہیں اور اظہارِ عقیدت کے نمونے بھی۔ مزاحمت کا رنگ بھی ان کی نظموں میں موجود ہے اور انسان دوستی کا بھی۔ ہیئت کے ضمن میں نصرت زیدی نے نظم معریٰ ،قطعات، مثنوی، سہ مصرعی اور غزل کے آہنگ میں نظمیں لکھی ہیں۔ موضوعاتی سطح پر ان کا رنگ حرفِ عقیدت کو محیط ہے، تاہم احتجاج کی لے بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ وطن عزیز کے یوم آزادی کی مناسبت ان کی نظم کے دو بند دیکھئے

منائیں اہلِ وطن جشنِ انبساط و سرور
نمودِ صبح درخشاں ہے رات بیت گئی
چلا وہ چال بساطِ فلک پہ نجمِ سحر
کہ شب کو مات ہوئی اور صبح جیت گئی

چہک رہی ہے ہر شاخ عندلیب چمن
نسیمِ صبح نے چھیڑا ہے برگِ گل کا رباب
سکونِ قلب و نظر ہے شبابِ لالہ و گل
مہک رہی ہیں فضائیں برس رہی ہے شراب
(جشنِ آزادی)

نصرت زیدی کی ایک اور نظم جس کا عنوان "صبح بھی تاریک ہے مانندِ شام" ہے۔ یہ نظم شاعر کے دلی جذبات کی عکاس ہے، وہ وطنِ عزیز کی موجودہ صورتحال پر دکھی ہے اور سوچتا ہے کہ جس وطن میں مہر و وفا خلوص، محبت، ہمدردی، دلاسا، علم و فن کا پرچار تھا۔ اب وہاں ہماری صبح بھی شام کی مانند ہے۔

بیکراں ظلمت فضائیں تیرہ فام
جسم کیا فکر و نظر ایماں غلام
زیست گویا مستقل لعنت کا نام
الاماں یہ عافیت دشمن نظام
صبح بھی تاریک ہے مانندِ شام

ہائے یہ صحن چمن بے رنگ و بو
گل گریباں چاک محتاج رفو
ہر روش پھر کیوں نہ برسائے لہو
فصلِ گل اور آندھیاں یہ تند خو
صبح بھی تاریک ہے مانندِ شام

جذبہ حریت

نصرت زیدی نے حق گوئی کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ آزادی اور جمہوریت ہمیشہ کا ان منشورِ حیات رہا ہے، اس لیے حریت پسندوں کی پشت بانی کے لیے اپنے حصے کا کام انھوں نے جاری رکھا۔ ''نغمہ حریت'' کے عنوان سے ان کی نظم دیکھیں

ہم مطربانِ نغمہ آزادی وطن
غم ہو خوشی ہو رہتے ہیں ہر حال میں مگن

بیدار قلب رکھتے ہیں بالغ نگاہ شوق
خلوت میں بھی ملا ہے ہمیں لطفِ انجمن

ہے ترجمان۔ جراتِ بے باک ہر نفس
قسمت میں دار ہو کہ مقدر میں ہو رسن

ہاں اے گروہ مدح و ثنا خوانِ حریت
حر تو وہی ہے سر سے جو باندھے رہے کفن

تنگِ حیات عرصہ ذلت کی زندگی
عزت کی موت حسنِ جوانانِ صف شکن

نقدِ متاعِ زیست سے لیتے رہے ہیں مول
خود داریِ ضمیر و نظر اہلِ علم و فن

مزاحمت اور احتجاج نصرت زیدی کے مزاج کا حصہ تھا۔ سچ بولنا اور وہ بھی شاعری میں کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ بے بس اور مجبور کے لیے صدا بلند کرنا بھی جہاد ہے۔ اس حوالے نصرت زیدی خوش بخت ٹھہرے کہ انھوں نے یہ کام کر دکھایا۔

آبِ زم زم سمجھ کے خونِ غریب
زیست کی تشنگی بجھا لو تم
لوٹ لو غم کدے غریبوں کے
اپنے راحت کدے سجالو تم
وقت پہلو بدلنے والا ہے
اور کچھ دیر مسکرا لو تم

کیوں یہ گہرا ہوا ہے رنگِ شفق
تم تو اہلِ نظر ہو پہچانو!
خامشی بھی جنوں کی فطرت ہے
کچھ تو بولو خرد کے دیوانو!
کیا یہ آثارِ انقلاب نہیں!
زیست تو زیست ہے یقیں جانو!

موت کو بھی تمھیں ترسنا ہے
آسمانوں سے خوں برسنا ہے
(آثار انقلاب)

صدائے احتجاج

ہر جمہوریت پسند اور انسان دوست کی طرح نصرت زیدی نے بھی مظلوموں کے حق میں صدائے احتجاج بلند کی۔ مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کے غیر قانونی اور غیر اخلاقی قبضہ کے خلاف ان کے جذبات دیکھیے۔

کب تلک قدس پہ اغیار کا قبضہ یارو
کیا تمہیں یاد نہیں مسجدِ اقصیٰ یارو

ہاں وہی قبلۂ اول وہی جس کی جانب
ہم ادا کرتے رہے مدتوں سجدہ یارو

صحن سونا ہے تو بام و در و محراب اداس
ہائے بے چارگیِ مسجدِ اقصیٰ یارو

جس سے رہتی ہے سدا غیرتِ قومی زندہ
کیا ہوا مردِ مسلماں کا وہ جذبہ یارو

یا علیؑ کہہ کے اٹھو نعرۂ تکبیر کے ساتھ
منتظر دیر سے ہے مسجدِ اقصیٰ یارو

انہدام جنت البقیع، ۱۹۲۵ء میں پیش آنے والا ایک ایسا افسوسناک واقعہ تھا جس کے نتیجے میں جنت البقیع کے مقدس مزارات، تاریخی آثار، مزارات پر موجود گنبد، عمارات توڑ دی گئیں۔ ان مزارات میں چار امام (حسن بن علیؑ، زین العابدینؑ، محمد باقرؑ و جعفر صادقؑ، جنہیں مزار کے وقوع کے اعتبار سے ائمہ بقیع سے یاد رکھا جاتا ہے)۔ اس کے علاوہ ام البنین مادر ابوالفضل العباس، سماعیل پسر جعفر صادقؑ کے مزار اور گنبد نیز محمد بن عبداللہ کی اولاد بیٹے بیٹیاں اور دیگر کئی مبارک مزارات کو منہدم کر دیا گیا۔

نصرت زیدی بھی پورے عالم اسلام کی طرح اس واقعہ پر دل گرفتہ ہوئے اور اپنے دکھ اور افسوس احتجاج کو اپنے شعر کے ذریعے ریکارڈ پر لائے۔

تیری مثال و مثل کہاں جنت البقیع
ذرے ہیں تیرے کا ہکشاں جنت البقیع

تیری زمیں سے پست ہے ہر اوج آسماں
تجھ میں ہیں دفن ایسی گراں مایہ ہستیاں

اک اشرف النسا ارم دخترِ رسول(س)
مشہورِ خلق ۔ ہر دوجہاں فاطمہ بتول(س)

اک فاطمہ (س) کا لال علی کا پسر حسن
مرغوب جس کو عید کے دن سبز پیرہن

اک وہ کہ جس کو کہتے ہیں بیمارِ کربلا
بعدِ حسینؑ قافلہ سالارِ کربلا

عزت مآب زاہد و ساجد شہ ۔ انام
زین العبا امامِ چہارم اسیرِ شام

اک وہ کہ جس کے علم کا چرچا ہے چار سو
وہ باقر العلوم ہیں مشہور کو بہ کو

اک عالم و فقیہ کہ جعفرؑ ہے جن کا نام
ہاں ہاں وہی ہیں جعفر صادقؑ ششم امام

روشن چراغِ رشد و ہدایت انھیں سے ہے
دیں ان سے اور دیں کی اشاعت انھیں سے ہے

ان پاک ہستیوں کے مزارات جبر سے
اک حکمرانِ وقت نے مسمار کر دیے

سماجی و معاشرتی دکھ

نصرت زیدی کی ایک نظم ''رکشا کا مزدور'' کے عنوان سے ہے جس میں بقول نصرت کہ یہ میری آنکھوں کے سامنے کا واقعہ ہے اور یہ بات مجھے اُس رکشا والے نے ہی بتائی تو میں نے اُسے نظم کر دیا۔ اس نظم میں شاعر نے سماجی رویوں اور معاشرتی برائیوں کا اظہار کیا کہ جس ملک کی آزادی کے لیے اتنی قربانیاں دی گئی تھیں، کیا یہاں مزدور کے ساتھ یہ انصاف ہوگا۔ حالانکہ مزدور کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دینی چاہیے لیکن یہاں تو جو ہماری حفاظت پر مامور ہیں وہی غریب کا خون نچوڑ رہے ہیں۔

دوپہر کا وقت سورج کی تمازت الاماں
شہر کی جانب سے اک رکشا سڑک پر ہے رواں

دو ٹریفک کے محافظ بھاری بھر کم سنتری
وردیاں پہنے ہوئے با صولت اسکندری

نصرت زیدی نے رکشا مزدور کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے

دل شکستہ مضمحل مزدور تصویرِ ملال
ناتواں غربت زدہ گرمی کی شدت سے نڈھال

تر بہ تر ہے جسم بہتا ہے پسینہ اس قدر
چل نہیں سکتا ہے رکشا کھینچتا ہے ہانپ کر

سماجی معاشرتی معاملات جو سماج میں بگاڑ، عدم مساوات، بیگانگی، بے بسی اور مجبوری پیدا کرتے ہیں، نصرت زیدی ان سے بے خبر نہیں رہتے۔ انھیں نشان زد کرتے ہیں مگر فنی لوازمات بھی نظر میں رہتے ہیں

سوچ میں ملبے پہ اک بیوہ ہے یوں بیٹھی ہوئی
زلزلہ کی زد میں آ کر گر گیا جس کا مکان
ٹڈیوں سے ناگہانی فصل کے نقصان پر
سر پکڑ کر بیٹھ جائے کھیت پر جیسے کسان
(آفت ناگہاں)

بے وجہ اک بد مزاج افسر سے کھا کر جھڑکیاں
نکلا ہے کمرے سے بابو، تپ رہا ہے یوں دماغ
گرمیوں میں دوپہر کے وقت جیسے گرم ہو
چلچلاتی دھوپ میں خانہ بہ دوشوں کا اجاغ
(بدمزاج افسر)

رنگِ عقیدت

اظہارِ عقیدت کے ضمن میں نصرت زیدی بہت فراخ دل ثابت ہوئے ہیں، جس کا ثبوت ان کی کتاب ''حرف صدا'' میں شامل نظمیں اور قطعات ہیں۔ مصطفیٰ زیدی، سید سبط حسن اور اپنی بیٹی ڈاکٹر نجم السحر صدف سمیت انھوں نے درجنوں افراد کے لیے قطعات اور نظمیں لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی دو نظمیں شہروں سے محبت کی آئینہ دار بھی ہیں۔ جن میں سوات اور ڈیرہ اسماعیل خان شامل ہیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے متعلق نظم، نصرت زیدی کے سوانح کے باب میں نقل کی گئی ہے، یہاں نظم ''سوات'' کے دو شعر ملاحظہ کیجیے

روش روش چمن چمن بہار نو بہار ہے
یہ رنگ و نور وادیٔ سوات زر نگار ہے

یہ خوش نما پہاڑیاں، حسیں نشیب اور فراز
مناظرِ لطیف میں ادائے حسنِ جاں گداز

مصطفیٰ زیدی سے متعلق نظم دیکھیے کہ اس میں ان کی حیات، افکار اور بے گناہ قتل کیے جانے پر کس قدر زوردار پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے

ملے ہے جراتِ اظہارِ حق کی سب کو سزا
کوئی تو دار چڑھا اور کسی نے زہر پیا

شکستِ سطوتِ فرعونِ وقت کی خاطر
ہر ایک دور میں آتا رہا ہے اک موسیٰ

لگاؤ اور بھی مقتول پر کئی الزام
جواز کچھ تو ہو قاتل کی بے گناہی کا

نگارِ شہر کے رخ سے نقاب تو الٹو
پتا چلے کہ لہو ہے کسی کا یا غازہ

کوئی بتاؤ کہ ہم کس سے منصفی چاہیں
کہ ہم جلیس ہے قاتل کا قاضیِ قریہ

کوئی یہ مصطفیٰ زیدی کو بھی خبر کردے
طلسمِ ہوش ربا کا حصار ٹوٹ گیا

نصرت زیدی نے کچھ قطعات مختلف عنوانات کے تحت کہے ہیں جن میں انھوں نے معاشرتی، سماجی، سیاسی اور دیگر معاملات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ انداز کلام روایت سے جڑا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن نصرت زیدی نے اپنے شوق، ماحول اور معاشرے کو سامنے رکھا ہے۔ محبوب کے حسن کی تعریف دیکھیے۔

تیرے اس حسن دل ربائی پر
کوئی کیوں کر نہ اپنے ہوش گنوائے

یوں تبسم لبوں پہ رقصاں ہے
جھیل پر جیسے چاندنی لہرائے
(حسن تبسم)

یک بہ یک آج یوں تری تصویر
ورقِ ذہن پر اتر آئی
دفعتاً جیسے کوئی نابینا!
اپنی آنکھوں میں پائے بینائی
(تری تصویر)

ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ نصرت زیدی نظم گوئی کے میدان کے بھی شہ سوار ہیں۔ انھوں نے جس بھی موضوع کو اپنایا ہے، اسے جملہ محاسن کے ساتھ شعر میں ڈھال لیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی غزل کی طرح نظم بھی شاندار ہے۔

☆☆☆

باب (۵)

نصرت زیدی کی حمد و نعت

اردو کی شعری روایت میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ حمد و نعت باقاعدہ اصناف سخن شمار کی جاتی ہیں۔ حمد کی ایک شکل توصیف رب العالمین ہے تو دوسری صورت مناجات کی ہے جس میں اللہ سے مشکل حالات میں مدد اور دکھ و پریشانیوں سے نجات کی دعا مانگی جاتی ہے۔ چونکہ مناجات میں بھی اللہ کی تعریف بھی کی جاتی ہے، اس لیے اسے بھی حمد کا حصہ سمجھا جا سکتا ہے۔

اردو میں حمد کی ابتدا شمالی ہند سے ہوئی۔ اگر چہ اس ابتدائی نمونہ کو مستند نہیں مانا جاتا تاہم یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس کی ابتدا دکن سے ہوئی تھی۔ میر، سودا اور درد کے دور میں بھی اس روایت کا خیال رکھا گیا اور ان کے دیوان کا آغاز بھی حمد سے کیا گیا۔ اقبال سے لے کر آج تک قریباً ہر شاعر نے حمدیہ شعر لکھے ہیں اور انھیں اپنی کتابوں میں شامل کیا ہے۔ بعض شعرا نے تو حمدیہ شعری مجموعے بھی شائع کیے ہیں

سید نصرت زیدی ایک قادر الکلام سخن ور تھے۔ غزل کے علاوہ اُنھوں نے جن اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ ان میں حمد و نعت، سلام، منقبت، نظم اور قطعات شامل ہیں۔ نعت گوئی کے ساتھ ان کا قدرتی شغف رہا کیوں کہ وہ اپنی زندگی میں صوفی باعمل تھے اور عشق رسولؐ میں جذب و مستی کے ترانے از خود وارفتگی کے عالم میں ان کی زبان و قلم سے جاری ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں نعت، حمد، منقبت، سلام اور مناجات شامل ہیں۔

حمدیہ رنگ

سید نصرت زیدی نے اپنی تصنیف ”حرفِ قدس“ کا آغاز ”حمد“ سے کیا ہے۔ اس حمد کے حوالے سے علامہ طالب جوہری لکھتے ہیں

''یہ حمد روایتی اور رائج حمد سے مختلف ہے۔اس حمد میں عقیدہ کے ساتھ استدلال شامل کیا گیا ہے۔اس سے پہلے غالباً عبدالعزیز خالد کے ہاں بھی حمد میں ایسے اشعار ملتے ہیں، یہ اسلوب روایتی اور رائج حمد سے مختلف ہونے کے باوجود پسندیدہ ہے۔''(۱)

دفعتاً آج خیال آیا مجھے
میں تری حمد لکھوں
پھر خیال آیا کہ لکھوں کیوں کر
تجھ کو دیکھا ہی نہیں
دانش و فہم نے تجھ کو پہروں
جاننا چاہا بہت
تیرا ادراک مگر ہو نہ سکا
عقل ناکام رہی
جودتِ فکر کے روشن تھے دیے
درِ تخئیل تھا وا
ذہن کی لوح تھی صاف و شفاف
نقش ابھرا نہ ترا
کہتے ہیں فلسفہ و منطق کو
نہ ملا تیرا ثبوت
مدتوں ڈور بہت سلجھائی
ہاتھ آیا نہ سرا
صبح دم مُن کے گجر کی آواز
میں بصد شوق چلا
برہمن پوج رہا تھا جس کو
وہ تھا پتھر کا صنم

خانقاہوں میں چراغاں تھا بڑی رونق تھی
لوگ کرتے تھے ترے نام کا ورد
کچھ بھی خاموش مزاروں سے نہ آتا تھا مگر
نعرہ حق کا جواب
"لن ترانی" ہی سہی کوئی تو آواز آئے
کوئی ہنگامہ سر طور نہیں
حضرت خضر ہی اے کاش! کہیں مل جائیں
پوچھ لوں میں تری منزل کا نشاں
زندگی کرب کے سانچے میں ڈھلی جاتی ہے
کسی پہلو نہیں آتا ہے قرار
میں تذبذب کے اندھیرے میں گھرا بیٹھا ہوں
روشنی کی ہے تلاش

اس منفرد اور خوب صورت حمدیہ نظم کے علاوہ بھی نصرت کے ہاں حمدیہ اشعار ملتے ہیں جو غزلوں کا حصہ ہیں۔ مثال کے طور پر

عقل نے تجھ کو براہین سے سمجھا تو نہیں
دل نے محسوس کیا، آنکھ نے دیکھا تو نہیں

نعت رنگ

اردو میں نعت کی روایت بھی دکنی شعرا کے توسط سے آئی۔ نعتیہ اشعار یوں تو قریباً ہر شاعر کے ہاں مل جاتے ہیں مگر نعت نگاری کو باقاعدہ صنف کے طور پر اپنانے اور اپنی زندگیاں اسی کام کے لیے وقف کرنے والوں میں محسن کاکوروی، کرامت علی شہیدی، احمد رضا خان بہت معروف ہیں۔ احمد رضا خان کی ایک نعت اس قدر مقبول ہوئی کہ لکھے جانے کے بعد سے آج تک ہر شخص کے لب پر جاری ہے۔ یہ سلام کی صورت کہا گیا کلام دل نشین ہے جو حقیقتاً عطائے رب ہے

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ رسالت پہ لاکھوں سلام

نعت ایک مقدس، پاکیزہ اور شیریں صنفِ سخن ہے۔ یہ اس ذات مبارکہ کا تذکرہ ہے جس کا نام لینے سے قبل فرشتے بھی درود و سلام بھیجتے ہیں۔ وہ ذات جو لامحدود عظمت کی مالک ہے اور جس کی شفقتوں عنایتوں اور رحمتوں کی وسعت بے پایاں ہے۔ اس کے لیے قرآنِ پاک میں ارشادِ ربِ کریم ہے کہ "اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نبی کریمؐ پر درود و سلام پڑھ رہا ہے، اس کے فرشتے بھی سلام گزار ہیں، تم بھی درود و سلام پڑھو۔" یوں ایک مسلمان کے لیے یہ حکمِ خداوندی بھی ہے کہ رسولِ خداؐ کی نعت لکھی اور پڑھی جائے۔

سراپا نگاری

نعت گوئی کے ابتدائی دور میں خصوصاً حضورؐ کی سراپا نگاری کی طرف توجہ دی جاتی تھی۔ ان کی زلفوں، آنکھ، رخِ روشن غرض تمام تر سراپے کو اشعار کے قالب میں ڈھالا جاتا تھا۔ بعد ازاں حضورؐ کی تعلیمات و ارشادات بھی شاملِ نعت ہو گئے۔ نصرت زیدی کی شاعری میں سراپا نگاری ملاحظہ ہو:۔

نام تیرا کبھی یاسیں کبھی طٰہٰ لکھوں
لکھوں قرآن اگر تیرا سراپا لکھوں

بات پھر سورۂ واللیل تلک جا پہنچے
میں تیری زلفِ دوتا کا جو قصیدہ لکھوں

نصرت زیدی کی نعتیہ شاعری عشقِ رسولؐ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ایک محبت کرنے والے کے جذبات ملاحظہ کیجیے۔

منتہٰی تیری رسائی کی مجھے کیا معلوم
تری نعلین سرِ عرشِ معلّٰی لکھوں

سچ تو یہ ہے میں خطا کار بہت ہوں نصرتؔ
میری ہمت نہیں پڑتی اُسے اپنا لکھوں

نعت کا مدار چوں کہ رسول کریمؐ کی ذات مبارکہ ہے اس لیے آپؐ کی ذات اقدس سے لے کر صفات تک، آپؐ کے افکار سے لے کر اعمال تک، زندگی کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں ہے جو کہ نعت کا موضوع نہ بن سکتا ہو۔ نعت کا دامن تو سیرت سے لے کر معجزات، غزوات خطبات تک پھیلا ہوا ہے۔

نازشِ ہر دو جہاں پیکرِ تنویرِ حیات
اے کہ ہے ذات تری مظہرِ تعمیرِ حیات

زندگی خواب پریشان کے سوا کچھ بھی نہ تھی
تو جو آیا تو ملی دہر کو تعبیرِ حیات

تیرے اقوال کہ ہیں شرح کتاب ہستی
تیرے کردار سے لکھی گئی تفسیر حیات

"نغمہ کن" نہیں ہر چند ترے ساز کی گونج
پھر بھی لاریب تو ہے بانی تعمیر حیات

کر گیا دے کے اخوت کا سبق انساں کو
نغمہ خلق سے معمور مزامیر حیات

دھندلے دھندلے سے نظر آتے تھے ہستی کے نقوش
تو ہی سلجھا کے گیا زلفِ گرہ گیر حیات

سیرت نگاری

سیرت نگاری کے جگنو بھی ان کی اکثر نعتوں میں جگمگ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ان کی نعتوں میں شاعر کا گداز،سوز،درد اس کا ذاتی نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہیت اجتماعیہ کا درد ہے۔سید نصرت زیدی نے جس دل فریب انداز میں سیرت نگاری کو مقام اوج تک پہنچایا ہے وہ ان کے قلم ہی کا خاصہ ہے۔

سورج اُس کا مہ تمام اُس کا
روشنی روشنی پیام اُس کا

جسم زخمی نگار پاؤں مگر
درگذر دشمنوں سے کام اُس کا

مستند، معتبر ہمارے لیے
بعدِ قرآن ہے کلام اُس کا

اسی طرح واقعۂ معراج کو موضوع بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

سدرہ المنتہیٰ ہے رہ گذر
کعبہ قوسین ہے مقام اُس کا

ایک انسان وہاں سے بھی گزر آیا ہے
پر فرشتوں کے بھی جل جائیں جہاں سے آگے

نعت کا موضوع چوں کہ نبی اکرمؐ کے ظاہری و باطنی خصائص پر مبنی ہے۔اس لیے نعت گو شعرا نے بالخصوص نبی اکرمؐ کے معجزات کا تذکرہ بڑے عقیدت و احترام سے کیا ہے۔اعجاز نبوی کا اقرار بھی آپؐ سے محبت کا ایک انداز ہے۔

نصرت زیدی کے دل میں عشقِ رسالت مآبؐ جاری و ساری تھا، سو بے تابانہ ان سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے معجزات کا بھی اس انداز سے تذکرہ کرتے ہیں کہ ان کی روح عشقِ رسولؐ میں سرشار دکھائی دیتی ہے۔

میرا یہ کہنا آپؐ ہیں مختار فرش و عرش
تسبیحِ سنگریزہ و شق القمر پہ ہے

آئینہ حیراں کی طرح وقت کی رفتار
اے صاحبِ معراج خرد مہر بہ لب ہے

سدرۃ المنتہیٰ ہے راہ گذر
قابِ قوسین ہے مقام اُس کا

انبیاء صف بہ صف پئے تکریم
آسماں پر یہ احتشام اُس کا

نبی اکرمؐ کے اوصاف حمیدہ کے پیش نظر قرآن پاک آپؐ کو مخصوص القاب اور اسمائے صفاتی سے پکارتا ہے جو آپؐ کی شان ارفع کا مظہر ہے۔ عرب معاشرے میں آپؐ کے طور اطوار اور عادات مبارکہ کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اہل عرب بھی آپ کو ان کی صفات کے پیش نظر مختلف القاب سے پکارتے تھے۔ یہ اعزازات والقاب آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی روشن دلیل ہیں۔ ہر شاعر نے اپنی نعت میں ان جواہر کو پرویا ہے اور ان کے اذکار سے نعت کی شان بڑھائی ہے۔

سید نصرت زیدی بھی اپنے نعتیہ کلام میں آقائے نامدار، محبوب سبحانی کو ان کے خوبصورت اور عالی شان القابات سے پکارتے ہیں۔

نام تیرا کبھی یسٓین کبھی طٰہٰ لکھوں
لکھوں قرآن اگر تیرا سراپا لکھوں

وہ مدثر بھی ہے طٰہٰ بھی ہے یسٓین بھی ہے
وہ محمدؐ بھی ہے احمدؐ بھی ہے فخر دو جہاں

عقیدت و محبت

نصرت زیدی کے نعتیہ کلام میں عقیدت اور محبت کی جو فضا پائی جاتی ہے۔ وہ ان کو ایک طرف تو حمد و نعت گو شاعر کا روپ عطا کرتی ہے اور دوسری طرف ان کی مذہبی عقیدت کو بھی سامنے لاتی ہے۔ مذہب سے ان کی جذباتی وابستگی شروع سے ہے لیکن نعت گوئی نے اس جہان پوشیدہ کو عیاں کر دیا اور وہ جذبات جو ان کے دل میں کب سے موجود تھے، ایسے دل پذیر انداز میں ظاہر ہوئے کہ قاری بے ساختہ داد پر مجبور ہو جاتا ہے

وہ کیا نظر کہ نہ ہو جس کو جستجوئے رسولؐ
وہ دل ہی کیا کہ نہ ہو جس کو آرزوئے رسولؐ

بجا کہ فخر کریں اپنی خوش نصیبی پر
وہ لوگ جن کا مقدر ہے خاکِ کوئے رسولؐ

شفاعت طلبی

نعتیہ شاعری کا ایک اہم ترین موضوع آپؐ کی شفاعت کا ذکر ہے۔ اس موضوع کو ہر شاعر نے خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نصرت زیدی نے بھی اس موضوع کو عمیق مطالعے کے تناظر میں پیش کیا ہے اور کہیں بھی آپؐ کے اس وصفِ عالی کو شاعرانہ ترنگ میں رنگیں بیانی کی نذر نہیں ہونے دیا۔

سرِ محشر جو سوا نیزے پہ سورج اترے
سر پہ میں سایہ دامانِ شفاعت مانگوں

اے شافعِ محشر اُسے برزخ سے بچانا
شاعر ترا نصرتؔ بہت آرام طلب ہے

اگر نہ سایہِ دامانِ مصطفیٰؐ ہوتا
کہاں ٹھکانہ تھا اُمت کے عاصیاں کے لیے

استمداد و استغاثہ

نعت گوئی کا ایک خصوصی رنگ نبی اکرمؐ سے استمداد و استغاثہ کا ہے جس میں شاعر انفرادی اور اجتماعی مصائب پر فریاد کرتا ہے اور نبی اکرمؐ سے نگاہِ کرم کا التماس کرتا ہے۔ یہ رنگِ نعت آغاز ہی سے نعت گوئی کی روایت میں شامل ہے۔ دراصل آپؐ رحمتہ اللعالمین ہیں اور اُمت مسلمہ اپنے دُکھ درد کی گھڑی میں آپؐ ہی کا وسیلہ اور سہارا ڈھونڈتی ہے۔ استغاثہ کا سبب ذاتی بھی ہوسکتا ہے اور قومی وملی بھی، بہرحال نبی اکرمؐ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں داستانِ غم سنا کر شاعر سکون محسوس کرتا ہے اور آپؐ سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔ نصرت زیدی کے ہاں یہ رنگ دیکھیے

زندگی خوابِ پریشاں کے سوا کچھ بھی نہ تھی
تو جو آیا تو ملی دہر کو تعبیرِ حیات

عصیاں کی ندامت سے ہوں میں سربہ گریباں
رخسار کو اب دیدہ نم چاہیے مولا

ذکرِ مدینہ

ذکرِ مدینہ ہر نعت گو کا پسندیدہ ترین موضوع ہے اور ہر عاشقِ رسولؐ نے اس موضوع پر شعر کہے ہیں۔ نصرت زیدی کے نعتیہ کلام میں بھی یہ تذکرہ کثرت سے موجود ہے اور پورے کلام میں جاری وساری دکھائی دیتا ہے۔

شہر فہرست سکونت میں جو لکھتا ہو مجھے
کربلا لکھوں ، نجف لکھوں ، مدینہ لکھوں

آنکھیں کرتی ہیں مری آپؐ کے روضہ کا طواف
اب مجھے چاہیے کیا کس لیے جنت مانگوں

زمینِ شہر مدینہ تجھے نصیب ہوئے
وہ نقشِ پا جو فلک پر تھے کہکشاں کے لیے

نصرت زیدی نے زیادہ تر غزل کی ہیت میں نعت کہی ہے لیکن نظمیہ ہیئت میں بھی نعت لکھی ہے۔ ان کی یہ نعتیہ نظم ملاحظہ کیجیے، حسنِ بیاں اور آہنگ کی خوب صورتی دلوں کو تسخیر کرتی چلی جاتی ہے

کس نے غارِ حرا سے یہ آواز دی
آگہی علم ہے علم ہے چاندنی
چاندنی روشنی ،روشنی زندگی
اے مرے ہم نفس وہ ہے میرا نبیؐ

سدرۃ المنتہیٰ تا بہ عرشِ علیٰ
کس کی خوشبو سے مہکی ہوئی ہے فضا
کون ہے وجہِ تخلیقِ ہر دوسرا
اے مرے ہم نفس وہ ہے میرا نبیؐ

کون ہے وہ لقب جس کا خیر البشر
زیرِ فرمان جس کے ہیں شمس و قمر
جس کی ہے ذات میں نور حق جلوہ گر
اے مرے ہم نفس وہ ہے میرا نبیؐ

کون خالق کی مخلوق ہے اولیں
مثل جس کا نہیں ، جس کا ثانی نہیں
کون ہے جس کا خادم ہے روح الامیں
اے مرے ہم نفس وہ ہے میر نبیؐ

نصرت زیدی کی نعت جہاں عقیدت و مودت کا اظہار ہے وہیں ان کی ہنر وری کا آئینہ بھی ہے جس میں ان کے کمال فن کو دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ افتخار عارف لکھتے ہیں

''نصرت زیدی کے حمدیہ، نعتیہ اور رثائیہ کلام کا مجموعہ ''حرفِ قدس'' صاحبانِ مودت و عقیدت کے لیے ایک نعمت اور بیش قیمت سوغات کی حیثیت رکھتا ہے''۔(۲)

☆☆☆

باب(۲)

نصرت زیدی اور رثائی ادب

اردو شاعری کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں آغاز سے ہی حمد، نعت، منقبت، سلام اور مرثیہ کی روایت قائم ہے۔ ہر چھوٹے بڑے شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا اور امام عالی مقام کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اسلامی اقدار کے حوالے سے واقعاتِ کربلا کی جیسی ترجمانی اردو میں ہوئی، وہ اپنی جگہ ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ آنحضور ؐ سے محبت کا تقاضا ہے کہ آپ ؐ کی آل پاک سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جائے۔ بقول الطاف حسین حالی

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے
وہ تیریؑ محبت، تریؑ عترت کی ولا ہے

آپ ؐ اور آپ ؐ کے خانوادے سے محبت اور الفت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر زبان اور ادبیاتِ عالم میں اہل بیت سے والہانہ محبت و الفت کے نمونے موجود ہیں۔ اردو میں بھی عقیدت کے کیا کیا جواہر پارے ہیں جو شہدائے کربلا کی خدمت میں پیش نہیں کیے گئے۔

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی
(انیس)

شمشیر بہ کف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو
(دبیر)

دشمن جو ہو حسین علیہ السلام کا
آتش نہ کم سمجھ اسے ابن زیاد سے
(آتش)

علیؑ کے بعد حسنؑ ، اور حسنؑ کے بعد حسینؑ
کرے جو ان سے بُرائی، بھلا کہیں اُس کو؟
(غالب)

ڈوب کر پار اتر گیا اسلام
آپ کیا جانیں کربلا کیا ہے
(یگانہ)

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی
(اقبال)

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین
(جوش)

لب پر شہداء کے تذکرے ہیں
لفظوں کے چراغ جل رہے ہیں
(احمد ندیم قاسمی)

تو نے صداقتوں کا نہ سودا کیا حسینؑ
باطل کے دل میں رہ گئی حسرت خرید کی
(اقبال ساجد)

حسین ابنِ علی کربلا کو جاتے ہیں
مگر یہ لوگ ابھی تک گھروں کے اندر ہیں
(شہریار)

ہر عہدِ تشنگی کا تمدن لکھے جو ہاتھ
آثار و ارتقا کا بھرم اس کے ہاتھ ہے
(ہلال نقوی)

فراتِ وقت رواں ! دیکھ سوئے مقتل دیکھ
جو سر بلند ہے اب بھی وہ سر حسینؑ کا ہے
(افتخار عارف)

یہ تو چند نمونے ہیں،شاعروں نے اہلِ بیتؑ کی محبت میں کتابوں کی کتابیں رقم کی ہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔نصرت زیدی نے بھی مناقب اہلِ بیت اور شہدائے کربلا کی خدمت میں سلام پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔اس سعادت کے حصول سے قبل وہ اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں

ذکر اور ذکرِ حسینؑ ابنِ علیؑ اے نصرتؔ
بات کرنے کا بھی ہے تجھ کو سلیقہ کوئی

مناقب حضرت علیؑ

حضرت علیؑ کی شخصیت سے ان کو خصوصی اُنس ہے،اس لیے ان کے حوالے سے کئی مناقب ان کی کتاب میں شامل ہیں۔حضرت علیؑ کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے انھوں نے مندرجہ ذیل اصول وضع کیے ہیں

اہل دانش کو سمجھنا ہے علیؑ کی شخصیت
ذکر تیغ و مسجد و محراب و منبر چاہیے

علامہ طالب جوہری لکھتے ہیں:۔

"نصرت زیدی کے اس مجموعہ شعر میں اگرچہ سلاموں کی تعداد کم ہے لیکن ان میں دل کشی زیادہ ہے۔سلامی اور مجرئی جیسے الفاظ کے متروک ہوجانے کے بعد اس صنف کی جو صورت سامنے آئی وہ واقعہ کربلا کی پاکیزہ شخصیات اور اس کے دل گداز حصوں کے بیان پر مشتمل حالات اور آگے چل کر واقعہ کے مختلف جہات بھی "سلام" میں شامل ہوگئی ہیں"۔(۱)

سید نصرت زیدی،حضرت علیؑ کی ولایت کو موضوع بنا کر جس حسنِ عقیدت اور جذبِ دروں سے نغمہ سرا ہوتے ہیں،ایسا کم کم لکھنے والوں کو نصیب ہوتا ہے۔

مبارک آمدِ فصلِ بہاراں
فروغِ گل گلستاں در گلستاں

دوائے دردِ آزارِ محبت
شمیم گیسوئے جانانِ جاناں

نظر محوِ جمالِ شاہِ بطحیٰ
متاعِ دل ولائے شاہِ مرداں

مغنی نغمہ سن کن موتی
سرا کن بر سرِ تارِ رگِ جاں

نوشتم نظم ایں واللہ نصرتؔ
بہ لطفِ شاہِ مرداں شیرِ یزداں

انھوں نے حضرت علیؓ کی منقبت میں اُن کے حضور عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ ان کا مقام ومرتبہ اس لیے بلند ہے کہ وہ نبی کریمؐ کے رفیقِ خاص ہیں۔دوسرا ان کی مدح کو حمدِ خدا کہا ہے۔اُن کے حُسن کی تجلی کو کلیم بھی مرحبا کہے۔اور آپ کا نام بھی لوح پر ہے اور فرشتے بھی دیکھ کر نازشِ عرشِ علیٰ کہیں۔

برسائے تیرا حُسن تبسم تجلیاں
گویا جو ہو کلیم تجھے مرحبا کہیں

دیکھیں ملائکہ جو تیرا نام لوح پر
صدا افتخار و نازشِ عرشِ علیٰ کہیں

وہ ذکر ہم جسے تری مدح و ثنا کہیں
سُن لیں جو اہلِ علم تو حمد خدا کہیں

آنحضورؐ نے ہجرت کے وقت تمام امانتیں حضرت علیؓ کے حوالے کیں۔ اُس منظر کو شاعر نے کیسے خوب صورت انداز میں ترتیب دیا

ہجرت کی شب کمالِ محبت کا ہے ثبوت
عشاقِ دہر تجھ کو مجسم وفا کہیں

نصرت زیدی حضرت علیؓ کی شجاعت و بہادری، ہمت و جرات، فقر و سخاوت اور ولایت کو دلآویز پیرائے میں بیان کرتے ہیں، چناں چہ وہ حضرت علیؓ کی سیرت کو بڑی پُر کاری سے شعری قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔ مثلاً غزوہ بدر سے لے کر شہادت تک حضرت علیؓ کی زندگی ہمت و جرات کے واقعات سے بھر پور ہے۔ اُنھوں نے مختلف غزوات اور جنگوں میں جرات و بہادری کی کئی داستانیں رقم کی ہیں۔ غزوہ خندق میں عمر بن عبدود کا قتل اور قلعہ خیبر کو فتح کرنا آپؓ کے "اسد اللہ" ہونے کی روشن دلیل ہے۔ آپؓ نہ صرف جرات مردانہ کے پیکر تھے بلکہ دنیا میں آپ کا نام شجاعت کا معیار ہے۔

مردِ حق صف شکن و بازوئے دانائے سبلؐ
فاتحِ خیبر و نور نگہہ ختم الرسلؐ

صاحبِ سیف و قلم پیکرِ الطاف و عطا
زاہد و متقی و خوگرِ تسلیم و رضا

سیدۃ النساؑ کے حضور سلام

سیدۃ النساؑ کے حضور بھی انھوں ہدیہ سلام عقیدت پیش کیا ہے۔ یہاں بھی ان کا رنگ نکھرا ہوا اور رچا ہوا ہے۔ ایسا مرصع سلام بہت کم دیکھنے ملتا ہے۔

السلام اے طاہرہ اے رشکِ مریم السلام
اے شریکِ نورِ پیشانیٔ آدمؑ السلام

اے بتولِ خوش سیر اے دخترِ خیر الوریٰ
زیب دیتی ہے ترے سر پر ردائے "انما"

"بضعت و منی" بہ فرمانِ رسولِ ہاشمیؐ
اللہ اللہ تیرے گھر میں ہے امامت دائمی

اے کہ ہے امِ ابیہا، سیدہ تیرا لقب
اے کہ تجھ پر فخر کرتا ہے ترا نام و نسب

اے کہ تیری زندگی ہے کامران و کامیاب
زہدوتقویٰ تجھ سے تابندہ ہےاے عصمت مآب

اے شریکِ "ھل اتیٰ و آیہ ٔ ابناونا"
"انا اعطینا" میں کوثر مرحبا صد مرحبا

بہرِ مستورات ِ عالم شارحِ دینِ مبیں
جنت الفردوس میں صدر نسا العالمین

ہاں ترا حقِ وراثت اہلِ دانش کے لیے
مسئلہ سنگین تر ہے مسئلوں میں دین کے

دخترِ ختم الرسلؐ اے پیکرِ عفت شعار
اب تو آہِ نیم شب پوچھے ہے مجھ سے باربار

کیوں رہا اُس وقت حیران و تماشائی فلک
ایک حاکم نے کیا جب تجھ کو محرومِ فدک

کیا عجب اس فیصلے پر ہو دلِ فطرت ملول
کیا سبب تھا کیوں رہے خاموش اصحابِ رسول

اے زمانے آنے والا روزِ دار و گیر ہے
پڑھ سکے تو پڑھ بھیانک وقت کی تحریر ہے

یہ فدک کیا ہے فقط دو دن کی ہے اس کی بہار
مالک باغِ جناں زہرہؑ یہ فضلِ کردگار

عصمتِ پر کار دینِ مصطفیٰ تجھ پر سلام
اے شریکِ زندگی مرتضیٰؑ تجھ پر سلام

امام علی رضاؑ کے روضہ پر حاضری

۴رجون ۱۹۹۴ میں امام عالی مقام حضرت علی رضاؑ کے روضۂ اطہر کے صحن میں داخل ہوتے ہوئے کہی گئی ایک منقبت نصرت زیدی کا استغاثہ ہے، اپنی حاضری اور سلام کے ساتھ التجا کرتے ہوئے ہیں کہ میرے وہم وگماں میں بھی نہ تھا کہ مجھ جیسے حقیر انسان کی رسائی بھی آپؑ تک ہو سکتی ہے۔ میں اپنے نصیبوں پر حیران ہوں اور آپ کے طفیل میری بخشش ہو سکتی ہے۔ میں آپؑ کے در پر غلام بن کر آیا ہوں اور آپؑ کی توجہ ہی مجھے اُس پار لگا سکتی ہے۔

کہاں وہ روضہ اقدس کہاں میں عبدِ حقیر
خیال تھا یہ مقدر میرا کہاں ہو گا

گناہگار ہوں عفو و عطا کا طالب ہوں
گدائے کوچہ ہوں بن کر غلام آیا ہوں

نصرت زیدی نے حضرت عباسؑ اور امام جعفر صادقؑ کے حضور بھی نذرانہ ہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔

داستانِ کربلا:

کربلا کے پس منظر میں لکھے گئے ہدیہ ہائے سلام میں انھوں نے واقعہ کربلا کی معنوی حقیقتوں کو آشکار کیا ہے۔ ان کے نزدیک کربلا کی جنگ آج بھی جاری ہے اور حشر تک یہ معرکہ حق و باطل جاری رہے گا۔ ہر وہ خطہ ارض جہاں جبر اور ظلم و استحصال کی کوئی نہ کوئی شکل موجود ہو، وہ کربلا ہے اور اس کے مقابل حق گو قوتیں خونِ حسینؑ کی مہک لیے ہوئے موجود ہیں۔

سچ اگر کہنے کی جرات ہے تو لے نامِ حسینؑ
جان پر کھیلنا سمجھا ہے تماشا کوئی

کربلا دفن ہیں جیسے مہ و انجم تجھ میں
چاند ایسا نہ فلک پر نہ ستارہ کوئی

سچ کو خنجر سے نہیں قتل کیا جا سکتا
بات یہ شام کے لشکر میں نہ سمجھا کوئی

ہر گلی کوچے میں سچی بات کہنے کے لیے
لوگ کہتے ہیں ہمیں کوئی ابوذرؓ چاہیے

سید نصرت زیدی کا سلام ''اہل بیت'' سے محبت اور دلی وابستگی کا درس دیتا ہے۔ ان کے سلام میں قرآن وحدیث اور سیرتِ اہل بیت سے کامل آگہی بھی سامنے آتی ہے۔ کربلا نے حریت کا درس دیا، وفا کا سبق سکھایا، سچ کی خاطر جان قربان کرنے کی راہ سجھائی، تا قیامت استبداد کا راستہ روک دیا۔

سرشتِ عشق ہے کیا مسلکِ وفا کیا ہے
یہ ہم نے جانا تو سمجھے کہ کربلا کیا ہے

قلندروں کی قناعت کا امتحان نہ لے
یہ جانتے ہیں دعا کیا ہے التجا کیا ہے

مدینہ والوں کا ہر مشورہ درست مگر
حسینؑ جانتے ہیں مرضیِ خدا کیا ہے

دیارِ کوفہ رسن بستہ، سر کھلے زینب (س)
کوئی بتائے کہ تفسیرِ انما کیا ہے

جو شہرِ علم کا ہے بابِ علم اے نصرت
اسی سے پوچھیے تعلیمِ مصطفیٰؐ کیا ہے

پیرو مسلک و آئینِ پیمبرؐ ہونا
ہم سے پوچھو تو ہے سلمانؓ و ابوذرؓ ہونا

ہم کو ہے فاتحِ خیبر کی گدائی کا شرف
ہم نے سیکھا ہے فقیری میں تونگر ہونا

صبر کی انتہا نہیں ہوتی
جبر کی انتہا کی بات کرو

جب امام حسینؓ نے ''بیعت'' ختم کرنے کا اعلان کیا تو فرمایا کہ جو بھی مجھے چھوڑ کر جانا چاہتا ہے وہ جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے خیمے کا چراغ تک بجھا دیا تا کہ جانے والوں کو سہولت ہو۔ امام حسینؓ نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قربانی کا فیصلہ کیا تو ساتھیوں کو اپنی رائے اور اپنی مرضی پر چھوڑ دیا۔ پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ عاشور کے دن عصر کے بعد حضرت امام حسینؓ نے نہایت جرات اور بہادری کے ساتھ، دامنِ صبر و یقین تھامے اپنی جانِ جان آفریں کے سپرد کر دی

عظمتِ بشر سے تھا ہاں وہ با خبر تنہا
فرش سے کیا جس نے عرش کا سفر تنہا

آج اک عقیدت سے ہے زمانہ ساتھ اس کے
کربلا میں سمجھے تھے جس کو اہلِ شر تنہا

وقتِ عصر آیا ہے مقتدی نہیں کوئی
کرتے ہیں ادا سجدہ شاہ بحر و بر تنہا

بعدِ عصر عاشورہ کربلا میں اے نصرت
نخلِ نیزہ پر دیکھا صبر کا ثمر تنہا

سید نصرت زیدی واقعہ کربلا کی منظرکشی کرتے ہیں اور یہ خونی منظر ان کے نزدیک محض تاریخ کا ایک واقعہ ہی نہیں اور نہ ہی محض شمشیر و سناں کی جنگ تھی بلکہ حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے خون سے ایک ایسی داستان عشق و وفا تحریر کی جو ہر زمانے میں حق کے طالبوں کے لیے نصاب کا درجہ رکھتی ہے۔

آنکھیں بینا ہیں تو پھر آنکھوں کو منظر چاہیے
دیدہ بیتاب زیبائی کا پیکر چاہیے

باوضو بیٹھا ہوا ہوں دیر سے اے جبرئیل
مدحتِ حیدر لکھوں گا تیرا شہپر چاہیے

کربلا کی کربناک ہوائیں آج بھی شاعر کے گوش سماعت میں لرزہ خیزی برپا کرتی ہیں، وہ آج کے یزید، طاغوتی طاقتوں کے خلاف علم بغاوت کے لیے خدا سے وہی جذبہ شبیرؑ پھر مانگتے ہیں لیکن کج کلاہ شام کو تو شبیرؑ کا سر چاہیے ہے۔ وہ اپنے سلام میں آج کے مسلمانوں کو امامؑ کی ذات اور صفات کی طرف رجوع کرنے کا سبق بھی پڑھاتے ہیں اور حق بات کہنے کی خاطر ابوذرؓ بننے کا درس دیتے ہیں۔

اے مدینہ دستِ بیعت کی طلب ہے ظاہراً
کج کلاہِ شام کو شبیرؑ کا سر چاہیے

ہر گلی کوچہ میں سچی بات کہنے کے لیے
لوگ کہتے ہیں ہمیں کوئی ابوذرؓ چاہیے

کربلا کی داستان لہو رنگ کے حوالے سے نصرت زیدی کی ایک نظم ملاحظہ کیجیے جو نوحہ کا رنگ لیے ہوئے۔ نوحہ خوانی بھی ایک صنفِ سخن کے طور پر اردو اور دیگر زبانوں میں موجود ہے

العطش کی آوازیں اور سامنے دریا
خرد سال اک بچی اور ایک مشکیزہ
بازوؤے بریدہ کا اور ایک پرچم کا
حال کیا بیاں کیجیے

تیر ایک سہ شوبہ اور ایک ششماہہ
اک چھدا ہوا بازو اک لہو لہو چہرہ
بے زباں کی میت کا ،ماں کی چشمِ پرنم کا
حال کیا بیاں کیجیے

مختصر جماعت اک اور مقابل اک لشکر
تین دن کے پیاسے کے حلق خشک پر خنجر
کچھ جلے ہوئے خیمے ، بیبیاں برہنہ سر
حال کیا بیاں کیجیے

سید نصرت زیدی کے کلام میں جوش ہے،عقیدت ہے، پر خلوص جذبوں کا اظہار ہے اور یہ سب اس سلیقے اور قرینے سے شعر بنے ہیں کہ قاری بھی اپنے دل میں یہی جذبات محسوس کرتا ہے۔یہی خوبی شاعر کی کامیابی کا اعلان ہے۔نصرت زیدی نے سلام و منقبت کے ضمن میں بھی کمالِ فن اور پر خلوص جذبات کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

افتخار عارف لکھتے ہیں

''نصرت زیدی عہد حاضر کے ان لائق تعظیم شعرا میں ہیں جو کلاسکی اسلوب سخن پر کامل دسترس رکھتے ہیں اور شعر و سخن کے سارے آداب بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ عقیدت و محبت کے مطالبات سے بھی جڑے رہتے ہیں ،ایک ایک مصرع ان کے کمالِ فن اور شدتِ محبت کی گواہی دیتا نظر آتا ہے۔''(۲)

بیمار کربلا

نصرت زیدی نے حضرت زین العابدینؑ اور علی اصغرؑ کا ذکر اور اُن کی روداد بھی بیان کی ہے کہ حضرت زین العابدین جنھیں واقعہ کربلا کے بعد (وہ بیمار ہونے کی وجہ سے لڑائی میں شریک نہیں ہوئے) طوق اور زنجیریں ڈال کر ظالموں کے سامنے پیش کیا گیا

ذکرِ عابد ہے کبھی اصغرِ بے شیر کی بات
طوق و زنجیر کی باتیں ہیں کبھی تیر کی بات

کیا ہیں شبیرؑ حدیثِ نبویؐ تو دیکھو
مستند ہوتی ہے ہر طرح سے تحریر کی بات

اہمیت دی نہ گئی تھی جسے روزِ عاشور
آج ہر بات پہ بھاری ہے وہ شبیرؑ کی بات

پہلا شہید

''حُر'' جو ''ریاحی قبیلہ'' سے تعلق رکھتا تھا اور یزید کے لشکر کا سردار تھا۔ اُس نے حضرت امام حسینؑ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر روکا کہ آپ آگے نہیں جا سکتے۔ امام حسینؑ کی چشم عنایت کے فیض سے ۱۰ محرم کی صبح اپنا گھوڑا لے کر حضرت امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہو کر سب سے پہلے شہید ہونے والا فرد بن گیا۔ نصرت زیدی نے اس واقعہ کو بھی موضوعِ شعر بنایا ہے

اے حُر ترا نصیب میسر کسے ہوا
زانوئے شاہ اور ترا سر خطا کے بعد

نصرت زیدی نے داستانِ کربلا کے ہر پہلو کو نظر میں رکھا ہے اور پھر اسے شعر بنا کر قارئین کی نذر کیا ہے۔ یہ سب کچھ ایک صاحب مطالعہ اور جذبہ عقیدت و مودت سے سرشار شخص ہی لکھ سکتا تھا، نصرت زیدی ان جملہ صفات کے حامل تھے، سوانھوں نے ان کا بھرپور طریقے سے اظہار کیا۔

افتخار عارف نصرت زیدی کی رثائی شاعری کے تناظر میں لکھتے ہیں

''ساری دنیا کے بڑے ادب میں عقیدہ کی جہت رکھنے والی شاعری پر اہل نظر

کے ان خیالات کو سامنے رکھے بغیر اُن کی قدر و قیمت کے تعین کا کام مکمل نہیں ہو
سکتا۔ نصرت زیدی اسلام کے وسیع تر دائرہ میں رہ کر گفتگو کرتے ہیں اور کہیں
بھی اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے بلا جواز اشاروں کنایوں سے کام نہیں
لیتے۔ وہ زندگی میں بھی وسیع المشرب ہیں اور شاعری میں بھی کشادہ دلی کا ثبوت
دیتے ہیں۔ ان کا شعر پڑھ کر ان کے ممدوحین کو جاننے کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے
اور اُن کی معرفت کا احساس بھی دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔'' (۳)

ڈاکٹر منور ہاشمی نے نصرت زیدی کی رثائی شاعری کو ان الفاظ میں خراج پیش کیا ہے

'' رثائی ادب کو خاص طور پر موضوع سخن بنایا ہے۔ اُن کے لکھے ہوئے سلام
زیادہ تر غزل کی ہیئت میں ہیں جن میں امام عالی مقام اور اُن کے خانوادے
سے دلی عقیدت اور محبت کا اظہار ہوتا ہے''۔ (۴)

نصرت زیدی کی رثائی شاعری مجھے ان کی غزل اور نعت دونوں سے بڑھ کر محسوس ہوئی ہے۔ اس کا سبب جو بھی ہو یہاں ان کی فکر اور جوہر تخلیق کھل کر سامنے آیا ہے۔ اس ضمن سلام کے چند اشعار دیکھے جا سکتے ہیں

فہم و ادراک و تعقل سے نہ فرزانوں سے
زندگی سیکھیے شبیرؑ کے دیوانوں سے

غمِ شبیرؑ کا موسم بھی عجب موسم ہے
خود بخود ہاتھ الجھتے ہیں گریبانوں سے

کربلا نام ہے جابر کی حکومت سے نجات
کربلا جنگِ مسلسل ہے ستم رانوں سے

کس طرح آلِ محمدؐ نے گزاری ہے حیات
آؤ تاریخ مرتب کریں زندانوں سے

میری آنکھوں کو حقارت سے نہ دیکھے دُنیا
میری آنکھوں کا تعلق ہے عزا خانوں سے

نصرتؔ اشعار کے مضمون کی سچائی پہ
استخارہ کیا تسبیح کے سو دانوں سے

یہ اشعار اپنے مضامین ومفاہیم کی ندرت اور جدید شعری روایت کی عمدہ عکاسی کے حوالے سے بڑی شاعری کے نمائندے ہیں، اور نصرت زیدی کے کمالِ فن کے شاہد بھی۔ نصرت زیدی کے ایسے ہی اشعار ان کی اصل پہچان اور ان کی انفرادیت ہیں۔

☆☆☆

باب۔(۷)

نصرت زیدی کی تبصرہ نگاری

تاریخ ادب شاہد ہے کہ وہی تنقید زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے جس میں بالغ نظری اور معروضیت ہو۔ تاریخ ادب کے بڑے بڑے شعرا کو ان کے زمانے کے ادبا اور ناقدین فن نے درخور اعتنا نہ سمجھا اور ان کو شاعر ماننے سے ہی انکار کر دیا لیکن بعد میں اُنھی شعرا کو شعروسخن کی بلند مسند پر بٹھایا گیا۔ ان کے دور میں ان کی اہمیت سے انکار دراصل تعصب اور تنگ نظری کا باعث تھا۔ اس کی سب بڑی مثال نظیر اکبرآبادی ہیں جنھیں اُن کے دور کے صاحبان فن شاعر ماننے سے ہی انکاری تھے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کے دور کے پاس وہ تنقیدی شعور ہی نہیں تھا جو نظیر کی عظمت کا احساس کر سکے لیکن آج نظیر اُردو کا بلند پایہ عوامی شاعر مانا جاتا ہے۔

تعصب اور تنگ نظری کے ساتھ ساتھ بعض اوقات کسی عہد کے پست درجہ شاعر کو اہمیت مل جاتی ہے لیکن جب وقت گزر جاتا ہے اور وہ شاعر تنقید کی کڑی اور بے رحم کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے تو اس کا معیار بہت پست نکلتا ہے۔

شعرائے اردو کے تذکرے وہ قدیم اور بیش قیمت ادبی سرمایہ ہیں، جن کے ذریعے سے ہماری زبان میں تنقید کی بنیاد پڑی۔ انھیں اگرچہ باقاعدہ تنقید کہنا تو مشکل ہے البتہ اردو تنقید کا پہلا نقش ضرور کہا جا سکتا ہے۔ جنگ آزادی کے بعد انگریزی ادب اور تنقید سے متاثر ہو کر اردو میں بھی تنقید لکھی جانے لگی۔ اس ضمن میں حالی کی کاوش جو" مقدمہ شعروشاعری" کے نام سے سامنے آئی، اردو کی باقاعدہ تنقید کا نقطۂ آغاز تصور کی گئی۔

حالیؔ کے بعد اُردو میں تنقید نگاری کا ایک سلسلہ چل پڑا اور شبلیؔ' عبدالحق' نیاز فتح پوری' مجنوں گورکھپوری' آل احمد سرور' احتشام حسین' کلیم الدین احمد' محمد حسن عسکری' خورشید الاسلام' محمد حسن' احسن فاروقی' وزیر آغا' قمر رئیس' سلیم احمد' مغنی تبسم سمیت کئی نقاد سامنے آئے۔ قاری اور نقاد کی پسند کے اعتبار

سے جب تخلیق کو قبول یا رد کیا جانے لگا تو ادب میں تنقید کے دبستان وجود میں آئے۔

تبصرہ نگاری ایک جدید تنقیدی صنف ہے، جس کے ذریعہ کسی کتاب کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ اردو میں دیگر کئی اصناف کی طرح اس کے ڈانڈے بھی انگریزی ادب سے ملتے ہیں۔ اردو میں اخبارات و رسائل اور بعد ازاں ریڈیو، ٹی وی اور ادبی تقاریب کے ذریعے تبصرہ کو فروغ ملا ہے۔ مشہور ادیبوں میں الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، علامہ نیاز فتح پوری، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، بابائے اردو مولوی عبدالحق، علامہ ماہر القادری، مولانا ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی اور مشفق خواجہ وغیرہ نے نہایت معیاری اور عمدہ تبصرے لکھے ہیں۔ تبصرہ نگاری سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے نصرت زیدی کا کہنا ہے

> ''تنقید کا عیوب و محاسن سے برابر کا رشتہ ہے مگر اصل میں کسی ایک سے رشتہ نبھانے کا نام تنقید نہیں۔ تنقید تو سچائی کے اظہار کا نام ہے۔ میں ادبی تجزیہ اور مختصر سا ادبی مضمون اور کسی حد تک تبصرہ کو بھی نقد و نظر کے دائرے میں سمجھتا ہوں۔''(۱)

تبصرہ کے خدوخال اور اس کی اہمیت و افادیت سے متعلق کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

> ''کسی تصنیف، کلام یا واقعہ کے متعلق سرسری طور پر بحث و مباحثہ کے لیے جب رائے کا اظہار کیا جاتا ہے تو اسے تبصرہ کہا جاتا ہے۔ اس کا مقصد کسی کتاب کے جوہر کا پتہ لگانا اور اسے اجمال یا تفصیل کے ساتھ پیش کرنا اور جو کچھ کہا جائے اس سے کتاب کی اہم ترین خصوصیتیں واضح ہو جائیں۔(۲)

تبصرہ کا بنیادی مقصد کتاب کی اشاعت کے بعد عام قاری کو کتاب کی تفصیل سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ اچھا تبصرہ وہی ہوتا ہے جو قاری کو یہ بتا سکے کہ یہ کتاب کس حد تک کی اس کی ضرورت کی چیز ہے۔ تبصرے کی اہمیت سے متعلق رئیس احمد صمدانی کی رائے دیکھیں

> ''تبصرے میں کتاب کے مندرجات اور اسلوب بیان کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور مواد کے مثبت و منفی پہلوؤں کو اختصار سے بیان کیا جاتا ہے۔ تبصرہ قاری کو کتاب کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد پر قاری اس دستاویز یا کتاب کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے

کے قابل ہو جاتا ہے۔(۳)

تبصرہ ایک اہم فن یا صنف ہے۔ باقاعدہ نقادوں کے ساتھ ساتھ کچھ ادیبوں نے صرف اسی فن میں اپنی مہارتوں کو آزمایا ہے اور کچھ نے شاعری، ناول یا افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ تبصرے بھی لکھے ہیں۔ ایسے ادیبوں میں ایک اہم نام نصرت زیدی کا بھی ہے۔ انھوں وقتاً فوقتاً کتابوں پر جو تبصرے لکھے ہیں، ان میں سے کچھ ریڈیو پاکستان سے نشر کیے گئے ہیں، کچھ تقاریب میں پڑھے گئے ہیں اور کچھ ملکی اخبارات کی زینت بنے ہیں۔ بعد از اں ان تبصروں کو کتابی صورت میں بھی ''تبصرہ و تجزیہ'' کے نام سے شائع کیا گیا۔

ادب کی دنیا میں کسی بات پر اپنی رائے کا اظہار وہ شخص ہی کر سکتا ہے جو کسی ادب پارے کے عیوب و محاسن کی پرکھ رکھتا ہو۔ تبصرہ اور تجزیہ ایک مشکل کام ہے اور پھر کسی کتاب پر تبصرے کے دوران اس کے حسن و قبح کو واضح کرتے ہوئے قاری کو اس فن پارے کے مطالعہ کے لیے تحریک دینا مشکل امر ہے مگر سید نصرت زیدی نے یہ کام بخوبی اور بڑے خلوص سے سرانجام دیا ہے۔ معروف شاعر ڈاکٹر توصیف تبسم لکھتے ہیں:۔

> ''خیال میں مبالغہ اور اسلوب میں بلند آہنگی ان کی طبیعت سے موافقت نہیں رکھتا، تحقیق لفظی کا شوق، صحت روز مرہ و محاورہ کا خیال، زبان سے ان کی محبت ان کی سلامتی طبع کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ خوبیاں ان کے یہاں نظم و نثر دونوں میں موجود ہیں۔ لفظوں کا ضیاع ان کو پسند نہیں، یہی وجہ ہے کہ نثر لکھتے ہوئے وہ اپنی بات کو غیر ضروری طول نہیں دیتے''۔(۴)

نصرت زیدی کی یہ تحریریں اگرچہ بیشتر وہ ہیں جو کسی کتاب یا صاحب کتاب کی پذیرائی میں برپا ہونے والی تقاریب کے لیے لکھی گئی ہیں لیکن اس کے باوجود انھوں نے اصل کتاب یا فن پارے پر جو گفتگو کی ہے وہ کسی تعارفی تقریب میں بہت جرات کی بات ہے۔ نصرت زیدی کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے تبصروں اور تجزیوں میں ان باتوں کی نقاب کشائی کی ہے جن پر دوسرے ناقدین کی توجہ نہیں گئی یا انھوں نے اسے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے، نصرت زیدی چھوٹے جملوں میں بہت بڑی بات کہہ جاتے ہیں جو قاری کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے اور اسے اصل فن پارے سے رجوع کرنے کی تحریک ملتی ہے۔ ڈاکٹر قاضی عبدالقادر لکھتے ہیں:۔

''نصرت زیدی کے لیے انسانی اقدار، ان کا تحفظ اور ان کا اظہار ایک قلبی اضطراب کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اس میں وہ ایک گوناں تقدس پاتے ہیں اور تحریر و تقریر میں جہاں انسان کے حوالے سے کوئی بات کہی جائے چاہے وہ شعر میں ہو نہ ہو ان کے لیے وہ بات رواروی کے دائرے میں مقید نہ ہو سکتی ہے نہ کی جانی چاہیے''۔(۵)

تبصرے یا تجزیے کے لیے نقاد اصل فن پارے کو جتنا معروضی طریقے سے برتے گا اتنا ہی کامیاب و کامران ہوگا۔ نصرت زیدی کے تبصروں میں یہ بات واضح نظر آتی ہے وہ اپنے موضوع سے داخلی اور قلبی تعلق تو رکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک فاصلہ بھی نظر آتا ہے جو ان کی معروفیت کی گواہی دیتا ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہوتا ہے اور بڑے سے بڑے ناقد کے قدم بھی اس راہ پر ڈگمگا جاتے ہیں مگر نصرت زیدی اس راہ سے سلامت روی کے ساتھ گزر آئے ہیں۔

تنقید کے لیے غیر جانبداری از حد ضروری ہے اور یہ نقاد کا غیر جانبدارانہ انداز نظر ہی ہوتا ہے جو اسے عیب جوئی اور مداحی کے تنگ دائروں سے نکال کر وسعت نظری اور کشادہ دلی سے کسی ادب پارے کا تجزیہ کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ کسی کتاب یا فن پارے سے متعلق رائے دوست داری، صاحب کتاب اور کسی دوسرے اثر سے بچ کر ایمانداری کے ساتھ اپنی رائے دینا نقاد کا اصل کام ہوتا ہے۔ اس ضمن میں نصرت زیدی لکھتے ہیں

''ہمارے کچھ ادیب و شعرا جب کسی کتاب کا دیباچہ یا تقریظ سپرد قلم کرتے ہیں تو قلم کی حرمت کا خیال نہیں رکھتے بلکہ حق دوستی ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے حلقہ ستائش باہمی کو وسعت دینے اور بعض اوقات حفظ منصب کی خاطر سچی بات کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ''تبصرہ و تجزیہ'' میں آپ کو یہ بات نظر نہیں آئے گی۔''(۶)

تبصرہ و تجزیہ

''تبصرہ و تجزیہ'' مضامین کا انتخاب ہے لیکن اس کتاب اور ان مضامین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتخاب بہت محنت اور احتیاط سے کیا گیا ہے۔ ہر مضمون کسی اہم شخصیت جو کہ ایک نامور شاعر یا

ادیب ہے پر لکھا گیا ہے اور اس کی شخصیت اور فن کے بہت سے گوشوں اور پہلوؤں کو کمال مہارت اور ہنر مندی سے مرکز نگاہ بناتا ہے۔ نصرت زیدی نے کسی بھی فن پارے کی قدر و قیمت کے تعین میں لگی لپٹی کی بجائے سچ کا پرچم بلند رکھا ہے۔ ڈاکٹر قاضی عبدالقادر لکھتے ہیں

''نصرت زیدی سچ کہتے ہیں اور بے تکلف کہتے ہیں کاش ان جیسے شہر میں دو چار اور بھی ہوں''۔ (۷)

نصرت زیدی کے مجموعہ مضامین ''تبصرہ و تجزیہ'' میں شامل پہلا مضمون ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی کتاب ''مرزا غالب قومی و عالمی تناظر میں'' پر ہے۔ انعام الحق کوثر کی یہ کتاب مرزا غالب پر مختلف اوقات میں لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے اور کل چھے ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۔ غالب اور فغانی

۲۔ غالب اور گوئٹے

۳۔ ناطق مکرانی اور غالب

۴۔ مرزا غالب کے مقطعے

۵۔ غالب کا ایک شعر

۶۔ غالب دل گداختہ

اس کتاب میں انعام الحق کوثر نے پہلے تین ابواب میں مرزا غالب کا موازنہ تین معاصر نابغہ روز گار شخصیات سے کیا ہے۔ جن میں فغانی، گوئٹے اور ناطق مکرانی شامل ہیں۔ یہی تین باب ہی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ فغانی شیرازی، فارسی کے شاعر تھے، اور غالب کی طرح اپنی جدید فکر کے باعث معاصر شعرا میں تنقید کا نشانہ بنے۔ فکری مماثلت کے علاوہ غالب اور ان کی سماجی حیات بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں رہی۔

گوئٹے معروف جرمن شاعر ہیں، وہ غالب کی طرح ضمیر کی آزادی اور انسانی فلاح کے حامی ہیں۔ ناطق مکرانی بھی قادر الکلام شاعر تھے، غالب نے ان کی ایک مثنوی کے مرکزی کردار کو اپنے فارسی شعر کا موضوع بھی بنایا مگر وہ غالب کی طرح آفاقیت کے حامل نہ تھے۔ اس لیے یہ تقابل کچھ جچا نہیں اور اسی باعث نصرت زیدی نے اسے کمزور قرار دیا ہے۔ باقی کے مندرجات سے متعلق نصرت زیدی کا کہنا ہے کہ

"آخر کے تینوں باب کتاب کی ضخامت بڑھانے میں اچھی خاصی معاونت
کرتے ہیں"۔(۸)

دوسرا مضمون ڈاکٹر قاسم جلال کی کتاب "ادبی تجزیے" پر لکھا گیا ہے۔تمہید میں نصرت زیدی نے قاسم جلال اور ان کی تصانیف کا اختصار سے تعارف کرایا ہے۔زیر نظر کتاب "ادبی تجزیے" تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے۔نصرت زیدی نے اظہار خیال میں قاسم جلال کے ساتھ اتفاق کے ساتھ اختلاف بھی کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں

"ادبی تجزیے کو پڑھ کر مجموعی طور پر ڈاکٹر قاسم جلال کی باتوں سے اتفاق کے
ساتھ ساتھ اختلاف کی گنجائش بھی موجود ہے"۔(۹)

نصرت زیدی نے قاسم جلال سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اردو نظم کا تاریخی پس منظر" کے عنوان سے شامل ایک مضمون میں قاسم جلال نے شمیم احمد کی کسی تحریر کا ایک اقتباس دیا جسے نصرت زیدی نے نامکمل کہتے ہوئے لکھا ہے کہ

"یہ اقتباس اس قدر مختصر ہے کہ جس سے شمیم احمد کی صاحب کی پوری شخصیت
کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔میرے خیال میں یہ اقتباس وضاحت طلب
ہے۔'(۱۰)

تیسرا مضمون ڈاکٹر عالیہ امام کی کتاب "صبح کی مانند تیرا نام" کے تجزیے پر مشتمل ہے۔یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔اس کتاب کا مرکزی خیال انسان ہے۔اس حوالے سے عالیہ امام نے چار عظیم اساتذہ فن" میر تقی میر، مرزا اسداللہ خان غالب، علامہ محمد اقبال، اور میر انیس" کے کلام میں ایک ایسے انسان کو تلاش کرنے کی سعی کی ہے جو انسانیت کا سچا دوست، خیر خواہ اور ہمدرد ہو۔اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے نصرت زیدی رقم طراز ہیں

"ڈاکٹر عالیہ امام نے یہ کتاب لکھ کر اہل علم و دانش کی نظر میں اپنی وقعت میں
اضافہ کیا ہے اور اردو ادب میں ایک اچھی کتاب کا۔"(۱۱)

اس تعریفی نوٹ کے ساتھ نصرت زیدی نظیر اکبرآبادی کو نظر انداز کرنے پر اختلاف بھی کیا ہے۔

چوتھا مضمون بریگیڈیر گلزار احمد کی کتاب "فغان غالب" کا احاطہ کرتا ہے۔نصرت زیدی نے بریگیڈیر گلزار احمد کی اہل بیت اور حضرت امام حسینؑ سے گہری محبت کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔"فغان

غالب" پر وہ یوں رقم طراز ہیں:۔

"ادبی کام میں فغان غالب بریگیڈیئر گلزار احمد کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں انھوں نے اپنے عسکری ذہن کے ناطے غالب کے دیوان سے تقریباً ایک سو پچاس ایسے اشعار تلاش و منتخب کیے ہیں جن میں مسلمانوں کی حکومت کا زوال اور ان کی زبوں حالی کا بڑی دردمندی سے ذکر ملتا ہے اور جدوجہد آزادی کی ناکامی پر غالب نے اپنی دل گرفتگی کا اظہار کیا ہے۔(۱۲)

پانچواں مضمون علامہ طالب جوہری کی کتاب "حرفِ نمو" پر ہے۔اس حوالے سے نصرت زیدی کا نہایت ہی مختصر سا تعارفی نوٹ ہے جبکہ تفصیلی مضمون ڈاکٹر میاں محمد صدیقی کا ہے۔طالب جوہری ملک کے معروف عالم دین، خطیب اور مقرر تھے، جن کا کچھ دن قبل کراچی میں انتقال ہوا ہے۔معلوم نہیں نصرت زیدی نے اپنے مجموعہ مضامین میں یہ مضمون کیوں شامل کیا ہے تاہم اس مضمون میں طالب جوہری کی غزلیہ شاعری کو نظر انداز کیے جانے پر انھوں نے فاضل مضمون نگار کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور اس کمی کو دور کرتے ہوئے اپنے مختصر نوٹ میں علامہ طالب جوہری کے درج ذیل اشعار نقل کیے ہیں

کبھی اور خود ہی کہہ کر کاٹ بھی دی
یہ بھی اک پیرایہ تھا سمجھانے کا

ہم بھی زخم طلب تھے اپنی فطرت میں
اور وہ بھی سچا تھا اپنے نشانے کا

جب قربتوں کی چھاؤں میں اترے وفا کے قافلے
بڑھتے قدم خود رک گئے آگے کوئی رستہ نہ تھا

بھٹک رہے ہیں جوانی کے نارسا لمحات
بہت سے گھر ہیں جنھیں ایک گھر نے لوٹ لیا

جسم کی دیوار سے ٹکرا کے نظریں مڑ گئیں
لوگ باہر ڈھونڈتے تھے اور میں اپنے گھر میں تھا

کل تک جس نے وہم کہا تھا خوابوں کی ماہیت کو
آج وہ مجھ سے خوابوں کی تعبیریں پوچھنے آیا ہے

وہ جو اک سقراط جامِ زہر پی کر مر گیا
موت اس کی زیست کا سب سے بڑا اظہار تھی

شام ڈھلے منہ ڈھانپ کے سونا سورج کی مجبوری ہے
اپنی خوشی سے کون یہ چاہے اجلے دن کو رات کرے

نصرت زیدی کا طالب جوہری کے اشعار کا انتخاب جہاں ان کے ذوق شعر اور ذوق سلیم کا پتہ دیتا ہے، وہاں علامہ طالب جوہری کی قادر الکلامی کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ محمد میاں صدیقی نے اپنے مضمون میں طالب جوہری کی شاعری کی ستائش کی ہے اور ایک دوست کی حیثیت سے چالیس سال کی رفاقت کے باوجود یہ اعتراف کیا کہ وہ علامہ صاحب کی شاعرانہ صلاحیت سے واقف نہ تھے۔ انھوں نے اپنے تبصرے میں اشعار بھی کوٹ کیے ہیں تاہم ان کی پسند کا ایک شعر درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں

دیارِ عشق میں تجدیدِ عاشقی کے لیے
ہم ایسے لوگ ضروری ہیں ہر صدی کے لیے

بشریٰ رحمن کے شعری مجموعے "صندل میں سانسیں جلتی ہیں" کا تعارف پیش کرتے ہوئے نصرت زیدی نے بشریٰ رحمن کی تعریف کرنے کے ساتھ "فنی غلطیوں" کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس مضمون کے بعد راشد امین کے شعری مجموعہ "آدھا چاند" پر لکھے گئے تعریفی فلیپ کو شامل کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں لیفٹیننٹ جنرل محمود الحسن کے شعری مجموعے "شہد سم" کا تعارف بھی شامل ہے۔ اس مضمون کے آغاز میں یا یوں کہیے کہ تمہید میں نصرت زیدی نے تنقید کی اہمیت اور منصب پر بہت بلیغ گفتگو کی ہے۔ ان کہنا ہے کہ تنقید کا راستہ بال سے زیادہ باریک ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تنقید دراصل دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کا نام ہے۔ اس کے بعد انھوں نے محمود الحسن کے تین اشعار کی تشریح کی ہے۔

اگلا مضمون اُردو کے ایک اہم اور قابل ذکر شاعر مصطفی زیدی کے بارے میں ہے۔ اس مضمون میں نصرت زیدی نے مصطفی زیدی سے اپنے گہرے تعلق اور دوستی کے بارے میں بتایا ہے۔ انھوں نے

مصطفیٰ زیدی کی شاعری پر مختصراً اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا ہے۔ نصرت زیدی کے بقول:۔

''مصطفیٰ زیدی کے اشعار کی گہرائی اور گیرائی میں انسانیت کے ارتقا کی ایک ایسی لگن اور ایک ایسی جستجو نظر آتی ہے جو اس کے ہم عصر شعرا کے کلام میں خال خال پائی جاتی ہے۔ وہ محسوسات کا شاعر ہے۔ اس کی شاعری میں فکری توانائی اور بالغ النظری ہے۔'' (۱۳)

نصرت زیدی نے اردو کے اس باکمال شاعر کے زبان زد عام شعر بھی درج کیے ہیں

فن کار خود نہ تھی مرے فن کی شریک تھی
وہ روح کے سفر میں بدن کی شریک تھی

جب ہوا شب کو بدلتی ہوئی پہلو آئی
مدتوں اپنے بدن سے تری خوشبو آئی

کیا کیا رہے ہیں حرف و حکایت کے سلسلے
وہ کم سخن نہیں تھا مگر دیکھنے میں تھا

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں
تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

انھیں پتھروں پہ چل کے اگر آ سکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

نصرت زیدی نے عزیز ملک کی کتاب ''خونِ حسین'' کا نہایت ہی مختصر سا تعارف پیش کرتے ہوئے ان کی کتاب کو واقعہ کربلا پر ایک اہم کتاب قرار دیا ہے۔ انھوں نے لکھا کہ

''عزیز ملک صاحب نے ''خونِ حسین'' میں سانحہ کربلا اور اس کے سیاسی پس منظر اور پیش منظر پر اپنے محاکمہ سے جس طرح روشنی ڈالی ہے۔ اس کی بنا پر دل اور ذہن میں کئی سوال ابھرتے ہیں جن سے حق و باطل کا امتیاز نمایاں ہو کر کتاب کے پڑھنے والے کو حادثہ کربلا کی درست جان کاری مہیا کرتا ہے۔'' (۱۴)

''تابش الوری'' معروف شاعر ہیں،ان کی کتاب ''رات ہوا چراغ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے نصرت زیدی لکھتے ہیں کہ:۔

> ''تابش الوری کے مجموعہ کلام کا نام''رات ہوا چراغ'' ہر چند کہ اجتماع ضدین کے الفاظ سے ترتیب پایا ہے لیکن جہاں تک میں نے ان کی شاعری پڑھی ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے کلام میں نہ تو ذہنی تضاد ہے اور نہ فکری تضاد''۔(۱۵)

معروف شاعر سید عارف کی کتاب ''زخم بھرتے نہیں'' پر تبصرہ میں نصرت زیدی نے اس مجموعہ کی شاعری کو حزنیہ شاعری کہا ہے۔ڈاکٹر شاہد رضا کی کتاب ''وجدان'' پر تبصرہ میں انھوں نے شاہد رضا کے صوتی آہنگ،تغزل اور لطیف کنایوں کے استعمال کو بطور خاص اجاگر کیا ہے۔ان کے خیال میں یہ مجموعہ اہل ادب میں وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

بزرگ شاعر شمیم بلتستانی کے مجموعہ شاعری ''عقیدت'' پر اظہار خیال میں وہ یوں گویا ہوئے کہ یہ مجموعہ حمد،نعت اور منقبتوں پر مشتمل ہے۔اس تبصرے میں انھوں نے مذہبی اور عقیدت والی شاعری پر بات کرنے کے حوالے سے ایک نہایت ہی فکر انگیز نکتہ بیان کیا۔

> ''عقیدت والی مذہبی شاعری پر زیادہ سے زیادہ شاعر کے اسلوب اور زبان و محاورہ کے محاسن پر بات تو ہو سکتی ہے مگر کلام کے معائب پر نظر رکھنا اور اسے بیان کرنا بہت دشوار عمل ہے۔اشعار کی گہرائی اور گیرائی خصوصاً پوری نظم کے ہر شعر کے نفس مضمون پر آزاد خیالی سے رائے نہیں دی جاسکتی''۔(۱۶)

شمیم بلتستانی ایک کہنہ مشق اور بزرگ شاعر تھے اور انھیں ہر صنف نظم میں شعر کہنے پر قدرت حاصل تھی۔نصرت زیدی نے شمیم بلتستانی کی قادرالکلامی کا اعتراف کیا ہے۔

محمد قیصر زیدی نے اپنی کتاب ''سیلف میڈ'' میں اپنی یاداشتیں قلمبند کی ہیں۔اپنے خاندان کا احوال بیان کیا ہے،اپنی غربت کے دن یاد کیے ہیں اور اپنے معاشقوں کا تذکرہ کیا ہے۔لیکن نصرت زیدی نے اس کتاب کے صرف ۳۰ فیصد مندرجات کو ہی سچ تسلیم کیا ہے،جو بہت معنی خیز بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

شعیب جاذب کے مرثیوں اور منقبت کا مجموعہ ''تفہیم الحسین'' ہے۔اس مجموعہ شعر میں شعیب جاذب نے نہایت عقیدت سے حضرت امام حسینؑ کی شخصیت،کردار،ان کے رسول پاکؐ سے رشتے،

قرآن اور امام حسینؑ کی یگانگت جس عام فہم زبان میں نظم کی ہے وہ قابل قدر ہے۔نصرت زیدی نے شعیب جاذب کی زبان اور لفظیات پر گرفت اور زور بیان جیسی خصوصیات کو بطور خاص اجاگر کیا ہے۔

اس کتاب میں نصرت زیدی کا ایک مقالہ'' تنقید کا سیاسی مزاج'' کے عنوان سے درج ہے۔یہ بہت اہمیت کا حامل مضمون اس لیے ہے کہ اس میں نصرت زیدی نے اپنے تنقیدی افکار بیان کیے ہیں۔ اس مضمون کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُردو تنقید پر نصرت زیدی کی نظر بہت گہری ہے ۔انھوں نے اردو تنقید کے ارتقاء کا جائزہ بھی لیا ہے اور حالی اور آزاد کے بارے میں بھی اپنے خیالات بھی پیش کیے ہیں۔ان کے نزدیک ایک نقاد میں وسیع علمی بصیرت اور مذاق سلیم ہونا ضروری ہے۔وہ بتاتے ہیں کہ میں ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی دونوں کا قائل ہوں۔

ان کی نظر میں صحیح ادب وہی ہے جو ان دونوں نظریوں یعنی ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی سے ترکیب پائے۔اس کے علاوہ اس مضمون میں انھوں نے ناقدین کی وہ خامیاں بھی اُجاگر کی ہیں جو تنقید کے معیار کو پست کر دیتی ہیں مثلاً تعصب، ذاتیات پر حملہ اور ادھورا مطالعہ وغیرہ۔نصرت زیدی تنقید کے معیارات پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> '' ہمارے اکثر نقاد مغرب زدہ ہیں۔وہ ہر بات کی سند کے لیے کسی مغربی نقاد کی کہی ہوئی بات یا مقولہ پیش کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔حالاں کہ ہر زبان کا مزاج اور اس کی طبیعت جدا ہوتی ہے۔یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہر وادی اور ہر زمیں ایک سی پیداوار دے۔یہ تو مٹی پر منحصر ہے جیسی مٹی ہوگی ویسی ہی کاشت اور اسی قسم کی پیداوار ہوگی۔نقاد کے لیے ضروری ہے کہ انتقاد کے وقت اس ملک اور اس سوسائٹی اور اس کے رسم ورواج اور جن چیزوں کو وہاں اچھا یا برا سمجھا جاتا ہے، پیش نظر رکھے۔کیوں کہ زبان تمدن کی تاریخ بھی ہوتی ہے۔نقاد کی نظر ان تمام پہلوؤں پر ہونی چاہیے۔''(۱۷)

اسی طرح انھوں نے نقاد کے تعصب، شخصیت پرستی اور دیگر ذاتی اختلافات کو بھی نشاں زد کیا ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں

> '' نقاد جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں شخصیت پرستی میں مبتلا ہیں۔ان سب نے فن تنقید کی بنیاد دوست نوازی ، ہم مسلکی ، مذہبی اختلاف، سیاسی

اختلاف، شخصیت پرستی اور ذاتی مفاد کو سمجھا ہے۔ نقاد کا کام نہ پیش گوئی ہے اور نہ ایک خاص انداز فکر سے اپنی مردم شناسی کا ڈھنڈورا پیٹنا ہے۔ نقاد کو نہ خوشامد پسند ہونا چاہیے اور نہ شخصیت پرست۔" (۱۸)

یہ مضامین جہاں نصرت زیدی کے تنقیدی رجحانات کو اجاگر کرتے ہیں وہیں ان اصولوں کی پاسداری بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں، جو انھوں نے طے کر رکھے تھے۔ اس کتاب میں شامل تقریباً تمام تبصرے ان کے اخلاص اور اپنے اصولوں یعنی سچی بات کہنے سے عبارت ہیں۔ انھوں نے جس بھی کتاب پر رائے دی ہے وہ حقیقت پر مبنی اور تنقید کے اعلیٰ معیار کی حامل ہے۔

☆☆☆

باب(۸)

نصرت زیدی بہ حیثیت تدوین کار

اُردو ادب میں کتابوں کی تصنیف و تالیف کا باقاعدہ باضابطہ ادارہ ایشیاٹک سوسائٹی (بنگال) کے نام سے ۱۷۸۴ء سے وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings) کی سرپرستی میں قائم ہوا۔ اس کے پہلے بانی صدر سر ولیم جونز کے بیان کے مطابق اس ادارے کا دائرہ کار ایشیا کے علمی، تمدنی اور تاریخی کارناموں کی تحقیق مغرب کے جدید اصولوں کے مطابق کرنا تھی۔ اس کے بعد ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں قائم ہوا جس کا مقصد انگریز افسروں کے واسطے، جو تازہ وارد ہوئے تھے، ایسی کتابیں تیار کی جائیں جن سے انتظام ملکی اور ہندوستانیوں کے ساتھ میل جول اور ربط وضبط بڑھانے میں آسانی ہو۔(۱)

عثمان حفیظ تبسم کا کہنا ہے کہ ''تدوین کے حوالے سے سرسید احمد خان کی علم دوست تحریک کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس کی وجہ سے جو نیا علمی اور سائنسی رُجحان پیدا ہوا، اس سے تحقیق کو بھی تقویت پہنچی۔ بیسویں صدی میں اس روایت کی مزید توسیع محمود شیرانی، ڈاکٹر عبدالحق، مولوی محمد شفیع، قاضی عبدالودود، مسعود حسن رضوی اور امتیاز علی عرشی جیسے بلند پایا محققین ادب کے ہاتھوں ہوئی۔ آزادی سے پہلے ہی ہندو پاک میں نئی آگاہی کے احساس کے ساتھ ساتھ تحقیق ضرورت کا احساس بھی روز بروز بڑھنے لگا اور تحقیق کی مضبوط اور مسلسل روایت اُسی وقت قائم ہوئی''۔(۲)

تدوین درحقیقت کیا ہے؟ اس حوالے سے پروفیسر خالق داد ملک رقم طراز ہیں''اردو زبان میں تدوین عربی میں تحقیق اور انگریزی میں ایڈیٹنگ (Editing) ایک جدید اصطلاح ہے جس سے مراد مخطوطہ (قلمی کتاب) کو ایسی شکل میں متعارف کروانا ہے جیسے کہ اس کے مؤلف نے اسے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا۔ وہ قابل مطالعہ و قابل فہم ہو جائے اور مقررہ معیارات کے مطابق اسے مدون شکل میں پیش کیا جائے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی مخطوطہ کی تدوین کا عمل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مخطوطہ کا عنوان، اس کے مولف کا نام، مخطوطہ کی مولف کی طرف نسبت، مخطوطے کی عبارت اور اس میں آنے

والے تمام مواد کو اول لفظ سے آخری لفظ تک پوری تحقیق، تصدیق اور ضبط کے ساتھ مرتب و مدون کیا جائے اور اسے ایسی صورت میں منصۂ شہود پر لایا جائے جو اس کے مولف کی وضع کردہ صورت کے بالکل مطابق ہو۔(۳)

نصرت زیدی نے تدوین کے ضمن جو کام کیا ہے وہ بھی لائق داد ہے۔انھوں نے اس حوالے سے چار اہم کتب مرتب کی ہیں۔جن میں انتخاب کلام مصطفیٰ زیدی، تقاریر حافظ کفایت حسین، یاد کرے گی دنیا(مشاہیر ادب اور مصطفیٰ زیدی) اور کلیاتِ مصطفیٰ زیدی شامل ہیں۔اب ہم ان چاروں کتب کا جائزہ لیتے ہیں۔

انتخاب کلام مصطفیٰ زیدی:

مصطفیٰ زیدی اردو کے ایک منفرد اور اہم شاعر ہیں،انھوں نے غزل بھی کمال کی لکھی اور نظم بھی۔انھوں نے ابتدا میں تیغ الہ آبادی کے نام سے شہرت پائی۔بعد میں مصطفیٰ زیدی کے نام سے آسمانِ شہرت تک پہنچے۔وہ نصرت زیدی کے چچازاد بھائی بھی تھے اور شعر وسخن کے حوالے سے اولین رہنما بھی۔۱۹۷۰ کو قتل کر دیے گئے۔ان کی بے وقت موت پر جوش نے لکھا

> ''زیدی کی موت نے مجھ کو ایک ایسے جواں سال ذہین رفیقِ سفر سے محروم کر دیا ہے جو فکر کے بھیانک جنگلوں میں میرے شانے سے شانہ ملا کر چلتا۔۔اور مسائل کائنات سلجھانے میں میرا ہاتھ بٹاتا۔''(۴)

اسی طرح معروف شاعر فیض احمد فیض نے بھی ان کی موت پر اظہار رنج وغم کرتے ہوئے اپنے دکھ کا اظہار ان الفاظ میں کیا

> ''خوں چکاں قلم اور انگلیوں والوں کا مقدر ہمارے جیسے شہر میں بہ خاک وخوں غلطیدن کے سوا کچھ اور نہیں،اس وقت تک جب کہ اس خاک وخوں سے ایسے شہر نہ تعمیر ہو جائیں جن میں متاعِ ہنر کا صلہ سنگ باری نہیں گل باری رسمِ شہر ٹھہرے۔''(۵)

نصرت زیدی نے ۲۰۰۹ میں ان کے کلام کا انتخاب کیا جسے الحمد پبلی کیشن لاہور نے شائع کیا۔اس انتخاب میں مصطفیٰ زیدی کی منتخب نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔مرتب نے کوئی پیش لفظ یا

دیباچہ رقم نہیں کیا، صرف ایک جملے میں یہ بتایا ہے کہ انتخاب نہایت سلیقہ و احتیاط سے کیا گیا ہے، جو شعری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اندرونی فلیپ پر مصطفیٰ زیدی کی دو مشہور زمانہ غزلیں درج ہیں۔

چلے تو کٹ ہی جائے گا سفر آہستہ آہستہ
ہم اس کے پاس جاتے تھے مگر آہستہ آہستہ

ابھی تاروں سے کھیلو، چاند کی کرنوں سے اٹھلاؤ
ملے گی اس کے چہرے کی سحر آہستہ آہستہ

دریچوں کو تو دیکھو، چلمنوں کے راز تو سمجھو
اٹھیں گے پردہ ہائے بام و در آہستہ آہستہ

زمانے بھر کی کیفیت سمٹ آئے گی ساغر میں
پیو ان انکھڑیوں کے نام پر آہستہ آہستہ

یوں ہی اک روز اپنے دل کا قصہ بھی سنا دینا
خطاب آہستہ آہستہ نظر آہستہ آہستہ

--

کسی اور غم میں اتنی خلشِ نہاں نہیں ہے
غمِ دل مرے رفیقو، غمِ رائیگاں نہیں ہے

مری روح کی حقیقت مرے آنسوؤں سے پوچھو
مرا مجلسی تبسم مرا ترجماں نہیں ہے

کسی آنکھ کو صدا دو کسی زلف کو پکارو
بڑی دھوپ پڑ رہی ہے کوئی سائباں نہیں ہے

انہی پتھروں پہ چل کے اگر آ سکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

یہ انتخاب واقعی ایک یادگار اور پر از خوبی ہے۔ وہ اس لیے کہ مصطفیٰ زیدی کی تقریباً تمام مشہور عام وخاص شاعری اس میں شامل کر دی گئی ہے۔ نصرت زیدی کے حسن انتخاب نے اسے ایک اہم انتخاب بنا دیا جسے اردو ادب کے تمام حلقوں میں پذیرائی ملی ہے۔ اس انتخاب میں غزلوں کم اور نظمیں زیادہ شامل ہیں۔

انتخاب تقاریر (حافظ کفایت حسینؒ)

رئیس الحفاظ حافظ کفایت حسین ۱۸۹۸ میں شکار پور ضلع بلند شہر، اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ ان کے سبھی آباء واجداد شیعہ مسلک سے وابستہ تھے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ اور پیشہ تجارت تھا۔ عبداللہ نے نیت کی تھی کہ اگر فرزند ہوا تو خدمت امام حسینؑ کے لیے وقف کر دیں گے۔ اسی وجہ سے بچے کی پیدائش کے بعد نام کفایت حسین رکھا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۱۹ میں سرکار نجم العلماء اعلی اللہ مقامہ نے مبلغ ہونے کا سرٹیفکٹ عطا کیا۔

سیالکوٹ میں جولائی ۱۹۲۵ میں حفظ قرآن کے معرکہ آرا مظاہرے میں شریک رہے۔ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور سید محمد شاہ حنفی نے لکھ دیا کہ مولوی حافظ کفایت صاحب نہایت اعلیٰ درجہ کے حافظ ہیں اور من حیث الحفظ خواص سے کم نہیں۔ صاحب موصوف نے عام مجمع میں پانچ پارے سنائے اور ایک گھنٹے سے ایک منٹ بھی زیادہ نہ ہونے دیا۔

حافظ کفایت حسین نے مبلغ کی سند لینے کے بعد باقاعدہ وعظ وتقریر کے ذریعے دین کی خدمات کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ان کی تقاریر کے مجموعہ ''کفایت الوعظین'' سے نصرت زیدی نے چند اہم تقاریر منتخب کر کے شائع کیں۔ ان تقاریر میں علامہ کفایت حسین کے انداز بیاں، فکر وخیال اور عصری ضرورتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان تقریروں کے موضوعات جتنے اہم ہیں، علامہ صاحب کا حسنِ گفتگو اتنا ہی صاف اور دل نشیں ہے۔ وہ قرآن وحدیث کی تشریحات میں اتنی سادہ بیانی سے کام لیتے ہیں کہ ہر عام وخاص آدمی اسے آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

سید نصرت زیدی نے کفایت حُسین کے اُن مضامین کا انتخاب کیا جو اصلاح معاشرہ پر مبنی ہیں ہر مکتبہ فکر کے لیے یکساں طور پر قابل قبول ہیں۔ اس لحاظ سے سید نصرت زیدی کی بحیثیت مرتب شخصیت کُھل کر سامنے آتی ہے اور ان تقاریر کا انتخاب اُن کے اعلیٰ فکر وخیال کی دلیل ہے۔ اس کتاب میں بھی

نصرت زیدی نے کوئی پیش لفظ یا دیباچہ نہیں لکھا بلکہ حرفِ تشکر پر ہی اکتفا کیا ہے۔حافظ کفایت حسین کے حوالے سے بھی کوئی معلومات درج نہیں۔کتاب کی اشاعت کا اہتمام کس نے کیا،اس کی طرف بھی کوئی اشارہ موجود نہیں تاہم کمپوزنگ کے ضمن میں الحمد پبلی کیشن لاہور اور دستیابی کے لیے افتخار بک ڈپو اسلام پورہ لاہور اور راولپنڈی،صدر بازار کے خرم بک ڈپو کا نام درج ہے۔

یاد کرے گی دنیا (مشاہیرِ ادب اور مصطفیٰ زیدی)

یہ کتاب مصطفیٰ زیدی کی شخصیت اور فن سے متعلق مشاہیر شعر و ادب کے مضامین پر مشتمل ہے۔جن مشاہیر کی آرا درج ہیں ان میں جوش،فراق،احسان دانش،ڈاکٹر ممتاز حسن ،ڈاکٹر احسن فاروقی،فیض احمد فیض ،احمد ندیم قاسمی،مجید امجد،ڈاکٹر شبیہ الحسن ،سبطِ حسن،مرزا ادیب،محمد علی صدیقی،مدیر نقوش محمد طفیل،ابنِ انشا،ڈاکٹر فرمان فتح پوری،رئیس امروہوی ،سجاد باقر رضوی ،واصل عثمانی،احمد علی سید،اسلم کمال،مسعود اشعر،قتیل شفائی،ڈاکٹر محمد باقر،سحر انصاری،عبدالرحمن چغتائی اور محسن بھوپالی شامل ہیں۔پیش لفظ کے طور پر مصطفیٰ زیدی کا تعارف نصرت زیدی نے لکھا ہے اور اپنی شاعری سے متعلق مصطفیٰ زیدی کا بھی ایک مضمون شامل ہے۔

> جوش نے مصطفیٰ زیدی کے حوالے سے لکھا ہے"اس کے کلام میں آئمہِ ادب کی سی شان پائی جاتی ہے،اس کی شاعری،اس قدر بلند تخیل اور اس درجہ نرالے طرزِ بیان کی حامل ہے،کہ بسا اوقات سر دھننے اور اس کا منہ چوم لینے کو جی چاہتا ہے اور کبھی کبھی تو یہ تمنا پیدا ہو جاتی ہے کہ کاش میں بھی ایسا کہہ سکتا۔"(٦)

جوش ملیح آبادی کی اس رائے سے بڑھ کر مصطفیٰ زیدی کے کمالِ فن کی داد اور کیا ہو سکتی ہے۔جوش صاحب کے علاوہ بھی کئی صاحبانِ فن و ادب نے مصطفیٰ زیدی کی ستائش کی ہے جس کا اظہار ان کے مضامین سے ہوتا ہے۔یہ کتاب مصطفیٰ زیدی کے فن کو سمجھنے میں بہت معاونت کرتی ہے۔ان مضامین کی جمع آوری واقعی نصرت زیدی صاحب کا کمال اور مصطفیٰ زیدی سے محبت و عقیدت کا ثبوت ہے۔

کلیاتِ مصطفیٰ زیدی

کلیاتِ مصطفیٰ زیدی کی ترتیب و تدوین بھی نصرت زیدی کا اہم کام ہے۔اس کی اشاعت بھی شائقین ادب کی خدمت کے ضمن تادیر یادرکھی جائے گی۔اس کلیات کی اشاعت الحمد پبلی کیشن لاہور کے تعاون سے عمل میں آئی ہے۔اس میں مصطفیٰ زیدی کے چھ مجموعہ ہائے کلام کو جمع کیا گیا ہے۔لیکن ان کے اولین شعری مجموعہ''زنجیریں'' کو شامل نہیں کیا گیا۔اس کی وجوہات بھی بیان نہیں کی گئیں،تعارف نصرت زیدی نے لکھا ہےاور تصنیف کی فہرست میں''زنجیریں'' کا ذکر کیا ہےمگر ان کے اولین مجموعہ کی عدم شمولیت پر روشنی نہیں ڈالی۔مصطفیٰ زیدی کا کلام عوام میں بہت مقبول ہے۔بلکہ کئی اشعار تو زبانِ زد عام بن چکے ہیں۔فلیپ پر ان کی معروف غزلیں موجود ہیں

فن کار خود نہ تھی مرے فن کی شریک تھی
وہ روح کے سفر میں بدن کی شریک تھی

اترا تھا جس پہ بابِ حیا کا ورق ورق
بستر کے ایک ایک شکن کی شریک تھی

میں ایک اعتبار سے آتش پرست تھا
وہ سارے زاویوں سے چمن کی شریک تھی

وہ نازشِ ستارہ و طناز ماہتاب
گردش کے وقت میرے گہن کی شریک تھی

وہ ہم جلیس سانحہ زحمتِ نشاط
آسائشِ صلیب و رسن کی شریک تھی

ناقابلِ بیان اندھیرے کے باوجود
میری دعائے صبحِ وطن کی شریک تھی

انتخاب کلام مصطفیٰ زیدی

نامور شاعر مصطفیٰ زیدی کے منتخب کلام کا یہ مجموعہ نصرت زیدی نے ترتیب دیا جسے نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد نے ۲۰۱۸ میں اہتمام سے شائع کیا۔ یہ پاکٹ سائز انتخاب سخن ہے جو نیشنل بک فاؤنڈیشن کے خصوصی اشاعتی منصوبے کے تحت منظر عام پر آیا ہے۔ اس انتخاب میں بھی نصرت زیدی نے مصطفیٰ زیدی کا ایک کڑا انتخاب پیش کیا ہے۔

نصرت زیدی کی مرتب کردہ کتابیں ان کی تدوینی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہیں۔ انھوں نے شاعری اور تنقید کے ساتھ ساتھ تدوینِ کتب کا کام بھی جاری رکھا۔ یوں وہ ایک ہمہ جہت ادیب بن کر سامنے آئے۔ ایسی خوبیاں بہت کم لکھنے والوں کو نصیب ہوتی ہیں کہ وہ بیک وقت ادب کے مختلف شعبوں میں سرگرم ہوں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ کام کریں۔ ان کتب کی ترتیب، تحقیق اور تدوین نصرت زیدی کا ایسا کام ہے جو انھیں شعر و ادب کی دنیا میں دیر تک زندہ رکھے گا۔

☆☆☆

مشاہیر کی آرا

احسان دانش

سید نصرت زیدی کی غزل میں معانی کی روانی، تراکیب کی گہر سازی، لفظیات کی ضادوگری، اختصار کی جامعیت، ایک پر تغزل اور پر وقار لہجہ اور بہت سی ایسی خصوصیات نمایاں ہیں۔ فطری ماحول سے پروردہ شاعر کی نظر، منظور سے ناظر کی طرف، مکان سے لامکان کی طرف اٹھتی ہے۔ انھوں نے غزل کی روایت سے کبھی انحراف نہیں کیا اور نہ ہی غزل میں نام نہاد تجربات کیے ہیں بل کہ وہ غزل کے روایتی انداز سے بھی مکمل طور پر پیوستہ نظر آتے ہیں اور ان کی غزل میں اسی طرح عشق و عاشقی کے رنگ، سوز کی کسک، مایوسی پائی جاتی ہے۔ (۱)

مصطفی زیدی

نصرت زیدی وسیع عریض درمیانی طبقے کے کامیاب ترجمان ہیں، نئی اور جوان عشق و عاشقی میں جو سوز و کسک، مایوسی، فرماں نصیبی سے پیار ہوتا ہے، وہی اُن کی غزلوں میں ہے۔ (۲)

خاطر غزنوی

سید نصرت زیدی اپنے منفرد لہجے اور بے ساختہ پن کی وجہ سے الگ شناخت رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی غزل میں جدت اور روایت کا حسین امتزاج پیش کیا ہے۔ ان کی غزل میں ٹکسالی زبان اور ڈھلے ڈھلائے لسانی پیکر نہیں ملتے اور نہ ہی ان کی زبان

پر کسی غیر زبان کے اثرات نظر آتے ہیں۔وہ اپنے جذبات کے اظہار کے لیے آسان
زبان استعمال کرتے ہیں۔ان کی غزل ہنر آفرینی کا منہ بولتا ثبوت ہے(۳)

ڈاکٹر قاضی عبدالقادر

زیدی صاحب ادب کے معاملہ میں ایک سوچ رکھتے ہیں جس کا اندازہ ان کے
مضامین سے ہو جاتا ہے چاہے وہ مختصر ہی کیوں نہ ہوں، اگر اس بات کو کسی ناقد
کے حوالے سے کہا جائے تو قاری کو اسے قبول کرنے میں جاآمل ہوگا۔(۴)

سلطان رشک

جناب نصرت زیدی سے میری ملاقات اگرچہ بہت پرانی نہیں مگر ان کے شعرو
ادب اور فکر وفن کے حوالے سے ان کو چار دہائیوں سے جانتا ہوں،فن شعرو
ادب میں نثر ونظم پر یکساں قدرت رکھتے ہیں اور عہد حاضر کے تناظر میں اُن کا
''وژن'' سچائیوں اور حقائق کو پہچان کر اس قدر خوبصورت شعری پیکر تراشتا ہے
کہ وہ عہد حاضر کے جدید شعرا کے ہم قدم نظر آتے ہیں۔(۵)

ڈاکٹر توصیف تبسم

نصرت زیدی ہمارے جانے پہچانے اچھے شاعروں میں ہیں۔انھوں نے کچھ
عرصہ سے نثر کی طرف بھی توجہ دینی شروع کی ہے۔ہر تحریر وہ نظم ہو یا نثر لکھنے
والے کی شخصیت کا آئینہ ہوتی ہے۔حسن توازن نصرت زیدی کی ذات کی ایسی
خوبی ہے جس کی جھلک نہ صرف اُن کی نظم ونثر بل کہ اُن کی گفتار ورفتار میں بھی
با آسانی دیکھی جاسکتی ہے۔شعر کہتے ہیں تو خیال اور اسلوب دونوں حد اعتدال
سے تجاوز نہیں کرنے پاتے۔خیال میں مبالغہ اور اسلوب میں بلند آہنگی اُن کی
طبیعت سے موافقت نہیں رکھتا۔تحقیق لفظی کا شوق،صحت روز مرہ محاوروں کا
خیال،زبان سے اُن کی محبت اُن کی سلامتی طبع کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔(۶)

مشکور حسین یاد

نصرت زیدی کے تبصروں کا مجموعہ خاص اہمیت کا حامل ہے، جن لوگوں کی تصنیف پر نصرت زیدی نے تبصرے کیے ہیں اُن میں سے اکثر لوگوں کو میں نہیں جانتا نہیں ہوں لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ نصرت زیدی نے اس انداز سے تبصرہ آرائی کی ہے یعنی تبصرے لکھے ہیں کہ ان تبصروں کو پڑھ کر اُن کتابوں سے خاصی آشنائی ہو جاتی ہے اور اتنی آشنائی کہ آپ کتابوں سے واقفیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ نصرت زیدی کے یہ تبصرے قابل مطالعہ ہونے کی پوری پوری صلاحیت ہی نہیں بلکہ فی الواقعی دلچسپ، قابل مطالعہ، علم افروز اور خیال انگیز بھی ہیں اور ان کی شاعری کے تو ہم آغاز ہی سے اسیر ہیں۔(۷)

علامہ طالب جوہری

میں نے نصرت زیدی کی غزل پر اس لیے گفتگو کی ہے کہ نعت و منقبت اور سلام کی ہیئت وہی ہے جو غزل کی ہے۔ انھوں نے اس مجموعہ شعر میں مذہبی شاعری کی ہے کہ ایسی شاعری جس سے شعور اور لاشعور دونوں مستفید ہوں۔ نعت ہو یا منقبت و سلام یہ اس محبت کی پیداوار ہیں جو شاعر کو ان اصناف کی تحقیق پر آمادہ کرتی ہے۔(۸)

ڈاکٹر محمد میاں صدیقی

مجھے اچھا شعر پڑھنے اور سننے پر نصرت زیدی کی شاعری پر بات کرنے کے عمل سے گزرنا پڑا، میرا نصرت زیدی سے تعلق احسان دانش کی وجہ سے ہوا یہ مکتبہ دانش اور دانش گاہ کے مستقبل بیٹھنے والوں میں سے تھے اور انھوں نے احسان صاحب سے فیض بھی حاصل کیا۔ ان کے اشعار میں مضمون کی جامعیت اور شعر کا نشتر دل کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔(۹)

پروفیسر نظیر صدیقی

ہر زمانہ میں شعرا اپنی صلاحیتوں کو احتیاط کے ساتھ آنے والی نسلوں کے سپرد کرتے چلے آرہے ہیں مگر یہ وہی لوگ ہیں جنھیں شعری تہذیب کو اپنے شہ پاروں میں سمونے کا ہنر آتا ہے۔ان کا فن انسان شناسی کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔نصرت زیدی اس حلقے میں شامل ہیں۔ان کی غزل میں گداز بھی ہے اور دل کی تپش بھی تغزل بھی اور موسیقیت بھی اور یہ آمیزہ ہی غزل کا روپ دھارتا ہے۔(۱۰)

افتخار عارف

نصرت زیدی عہد حاضر کے ان لائق تعظیم شعرا میں ہیں جو کلاسیکی اسلوب سخن پر کامل دسترس رکھتے ہیں اور شعر و سخن کے سارے ادب و آداب بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔وہ عقیدت و محبت کے مطالبات سے بھی جڑے رہتے ہیں،ایک ایک مصرعہ ان کے کمال فن اور شدت محبت کی گواہی دیتا نظر آتا ہے۔ساری دنیا کے بڑے ادب میں عقیدہ کی جہت رکھنے والی شاعری پر اہل نظر کے ان خیالات کو سامنے رکھے بغیر اُن کی قدر و قیمت کے تعین کا کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ نصرت زیدی اسلام کے وسیع تر دائرہ میں رہ کر گفتگو کرتے ہیں اور کہیں بھی اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے بلا جواز اشاروں کنایوں سے کام نہیں لیتے ۔وہ زندگی میں بھی وسیع المشرب ہیں اور شاعری میں بھی کشادہ دلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ان کا شعر پڑھ کر ان کے ممدوحین کو جاننے کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے اور اُن کی معرفت کا احساس بھی دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔اچھی اور بڑی شاعری کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ وہ پڑھنے والے کو شعوری یا غیر شعوری طور پر تبدیل ضرور کرتی ہے۔غزلوں اور نظموں کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی نوعیت کی شاعری بھی اُن کی تازہ نوائی اور ہنر آشنائی کی مظہر ہے۔(۱۱)

محبوب ظفر

نصرت زیدی بنیادی طور پر کلاسیکی روایت سے جڑے جدید لہجے کے غزل گو ہیں۔دردمندی،صلابت اور عالمگیرانسانی اقدارکاتصوران کی شخصیت اور شاعری کا طرہ امتیاز ہے۔انھوں نے اس روایت کے سائے میں اپنے شعری سفر کا آغازکیا۔ان کی شاعری،زندگی کے بارے میں ایک وسیع تر اخلاقی،تہذیبی اور سیاسی نقطہ نظر کے علاوہ انسان دوستی اور محبت کی آفاقی قدروں پر یقین محکم کی شاعری ہے۔آدمی اور آدمیت کا احترام،اس سے محبت،حق گوئی و بے باکی،صلح جوئی،اعلیٰ اخلاقی اقدار،انسان دوستی،تہذیب وثقافت،اور محبت کے موضوعات ان کی شخصیت اور شاعری کی پہچان ہیں جس سے ان کی نثر اور شاعری دونوں سیراب ہوئی ہیں۔خدا نے انھیں پر گداز جذبہ عطا کیا تھا۔وہ درد انگیزی اور جگر سوزی کے ساتھ سوچتے قلم اٹھاتے اور دل کی گہرائیوں سے جو محسوس کرتے اسے اشعار کے قالب میں ڈھال لیتے۔ان کی خوب صورت شخصیت،شاعری اور ان کی تحریریں ہمیں انسانی رشتوں کا احترام سکھاتی اور تاریخ ادب کو ثروت مند کرتی دکھائی دیتی ہیں۔(۱۴)

ڈاکٹر منور ہاشمی

شخصی اعتبار سے سید نصرت زیدی ایک باغ و بہار شخصیت ہیں جنھیں ایک بار اپنا دوست بنالیں پھر اُنہیں تنہا نہیں رہنے دیتے۔اُن کا پیار اور شفقت صرف اپنے عزیزوں کے لیے نہیں ہے بلکہ اپنے جونیئر تخلیق کاروں سے بھی اُن کا مشفقانہ برتاؤ الگ سے اور دُور سے پہچانا جاسکتا ہے۔باہمی محبتوں کی یادآوری کے لیے شعر کی دیگر اصناف خصوصاً رثائی ادب کو خاص طور پر موضوع سخن بنایا ہے۔اُن کے لکھے ہوئے سلام زیادہ تر غزل کی ہیئت میں ہیں جن میں امام عالی مقام اور اُن کے خانوادے سے دلی عقیدت اور محبت کا اظہار ہوتا ہے،وہ قومی سطح کے ایک اہم شاعر کے طور پر نہ صرف یہ کہ ملکی سطح پر بل کہ بین الاقوامی سطح پر بھی اُردو

دان حلقوں میں برابر جانے پہچانے جاتے ہیں،اُن کی ادبی خدمات کا ایک سلسلہ اُن کے تنقیدی شعور سے بھی جڑا ہوا ہے ۔اس حوالے سے بھی اُن کی تنقیدی اور تاثراتی تحریروں پر مشتمل ایک کتاب ''تبصرہ و تجزیہ'' کے نام سے اشاعت پذیر ہوئی جس کے مطالعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُنھیں معاصر شعری اور نثری ادب سے کس قدر واقفیت حاصل ہے۔آپ بنیادی طور پر رومانوی طرزِ احساس کے شاعر ہیں مگر عصری آشوب کی حامل کرب ناک شعری تصویریں،دوستوں کو دعوتوں پر مدعو کرنا،اُن کی شخصیت کا خصوصی حوالہ ہے۔ شعر و ادب کی محفلیں گھر میں بھی سجاتے ہیں اور شہر کے اہم مقامات پر بھی دوستوں کو جمع کر کے خوش ہوتے ہیں، میں اسے اپنا ادبی اعزاز سمجھتا ہوں کہ میں ریڈیو،ٹیلی وژن کے علاوہ کئی بڑے اور قومی سطح کے مشاعروں میں اُن کا شریک سفر رہا اور وہ مجھے عزیز ترین احباب میں شمار کرتے ہیں۔(۱۳)

ڈاکٹر نثار ترابی

اُردو کی وہ شعری روایت جس نے قیامِ پاکستان سے کچھ عرصہ قبل فکری و فنی سطح پر کلاسیکی اقدار کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا،اُس روایت کے نمائندہ شعرا میں مصطفیٰ زیدی ایک ایسے شاعر ہیں جو کسی تعارف کے محتاج نہیں،مصطفیٰ زیدی کا خانوادہ جس تہذیبی روایت کا نمائندہ ہے،اُس خانوادے کے جن شعرا نے خصوصی مقام پیدا کیا اُن میں ایک نمایاں نام جناب نصرت زیدی کا ہے، نصرت زیدی کو مصطفیٰ زیدی کا چچازاد بھائی ہونے کا احترام بھی حاصل ہے،زیدی صاحب ماشاء اللہ عمر عزیز کی ۹۴ر بہاریں دیکھ چکے ہیں۔ایک کلاسیکی اور جدید طرزِ احساس کے حامل غزل گو شاعر کی حیثیت سے اُن کی شعری خدمات کا دائرہ ستر سال سے زائد زمانی مدت کو محیط ہے۔اُن کے شعور شعر نے پاکستانی ادب کے کئی ادوار اپنی آنکھوں سے دیکھے،کئی ادبی تحریکیں اُن کے سامنے قائم ہوئیں اور پھر اُجڑی بھی اور ویران ہوئیں۔ترقی پسند تحریک

،رومانوی تحریک، حلقہ اربابِ ذوق کی تحریک، اسلامی ادب، پاکستانی تحریک، جدیدیت کی تحریک جس میں لسانی تشکیلات اور جدید علامتی نظام زیر بحث آیا، سید نصرت زیدی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی فنی زندگی میں کچھ کچھ اثر ان نئی ادبی تحریکوں کا ضرور قبول کیا مگر بنیادی طور پر وہ غزل کے ایسے شاعر ہیں جن کے موضوعاتی، احساساتی، لفظیاتی سبھی سلسلے کلاسیکی شعری روایت سے جڑے ہوئے ہیں۔ ایک ایسی شعری روایت جو اپنی تہذیب اپنی اقدار اور اپنی زبان سے تعلق رکھتی ہو، ہمیشہ ذہن میں رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اُن کی شاعری چاہیے وہ نظم کی صُورت میں ہو یا غزل کی صورت میں ان اعلیٰ ادبی اقدار کے تحفظ کا احساس ہوتا ہے، اُن کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں، انھوں نے صرف غزل ہی کو تخلیقی سطح پر نہیں برتا بل کہ فکر و فن کے قابل تحسین معیار کو بنیاد بناتے ہوئے اُن کے تخلیقی آئینے میں رواں دواں دکھائی دیتی ہیں۔(۱۴)

ڈاکٹر فرحت عباس

نصرت زیدی کا حمدیہ، نعتیہ اور رثائیہ کلام مودت و عقیدت کے لیے ایک نعمت اور بیش قیمت سوغات کی حیثیت رکھتا ہے، عقیدہ ہو یا نظریہ دونوں رجحانات کے مقامات بلند کا احترام و اعتراف ہم سب پر لازم آتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ ادب میں اس نوعیت کی تحریروں کی قدر و قیمت کا تعین صرف اور صرف جمالیاتی معیارات کے حوالے سے کیا جانا چاہیے۔(۱۵)

☆☆☆

منتخب کلام

حمد

دفعتاً آج خیال آیا مجھے
میں تری حمد لکھوں
پھر خیال آیا کہ لکھوں کیوں کر
تجھ کو دیکھا ہی نہیں

دانش و فہم نے تجھ کو پرکھوں
جاننا چاہا بہت
تیرا ادراک مگر ہو نہ سکا
عقل ناکام رہی
جودتِ فکر کے روشن تھے دیے
درِ تخییل تھا وا
ذہن کی لوح تھی صاف و شفاف
نقش اُبھرا نہ ترا

کہتے ہیں فلسفہ و منطق کو
نہ ملا تیرا ثبوت
مدتوں ڈور بہت سلجھائی
ہاتھ آیا نہ سرا

صبحدم سن کے گجر کی آواز
میں بصد شوق چلا
برہمن پوج رہا تھا جس کو
وہ تھا پتھر کا صنم

خانقاہوں میں چراغاں تھا بڑی رونق تھی
لوگ کرتے تھے ترے نام کا ورد
کچھ بھی خاموش مزاروں سے نہ آتا تھا مگر
نعرہ حق کا جواب

''لن ترانی'' ہی سہی کوئی تو آواز آئے
کوئی ہنگامہ سر طور نہیں
حضرتِ خضر ہی اے کاش! کہیں مل جائیں
پوچھ لوں میں تری منزل کا نشاں

زندگی کرب کے سانچے میں ڈھلی جاتی ہے
کسی پہلو نہیں آتا ہے قرار
میں تذبذب کے اندھیرے میں گھرا بیٹھا ہوں
روشنی کی ہے تلاش

☆☆☆

حمد

عقل نے تجھ کو براہین سے سمجھا تو نہیں
گو یہ گو ذکر سنا آنکھ نے دیکھا تو نہیں

شوقِ نظارۂ دیدار ہے کب سے مجھ کو
"لن ترانی" نہ سنا وادیٔ سینا تو نہیں

تو مری جراتِ اظہارِ تمنا پہ نہ جا
بات کرنے کا مجھے کوئی سلیقہ تو نہیں

مجھ کو کہتی ہے ترے ذکر پہ دُنیا کیا کیا
واقفِ حال مری یہ تری دُنیا تو نہیں

دل کے حجرے میں تو ممکن ہے تجلی ہو تری
تیرا مسکن حرم و دیر و کلیسا تو نہیں

اے جنوں سانس بھی لینا ہے تو آہستہ سے لے
عاشقِ بے خبر عشق تماشا تو نہیں

☆☆☆

نعت

وہ رحمتِ کونین مدثر بہ لقب ہے
اُس کے لیے تفریقِ عجم ہے نہ عرب ہے

آئینہ حیراں کی طرح وقت کی رفتار
اے صاحبِ معراج خرد مُہر بہ لب ہے

حسنینؑ کریمین ہیں یکتائے دو عالم
اُن جیسا کسی کا نہ شرف ہے نہ نسب ہے

مشرق ہو کہ مغرب وہ ترا خطبہ آخر
ہر دور کے انسان کا منشور ادب ہے

اے شافعِ محشر اُسے برزخ سے بچانا
شاعر ترا نصرتؔ بہت آرام طلب ہے

☆☆☆

نعت

نام تیرا کبھی یٰسیں کبھی طٰہٰ لکھوں
لکھوں قرآن اگر تیرا سراپا لکھوں

بات پھر سورۂ واللیل تلک جا پہنچے
میں تری زُلفِ دوتا کا جو قصیدہ لکھوں

دل میں حسرت ہے نہ لکھا ہو کسی نے ایسا
میں تری مدح و ثنا میں کبھی ایسا لکھوں

منتہیٰ تیری رسائی کی مجھے کیا معلوم
تیری نعلین سرِ عرشِ معلیٰ لکھوں

شہرِ فہرستِ سکونت میں جو لکھتا ہوں مجھے
کربلا لکھوں، نجف لکھوں، مدینہ لکھوں

سچ تو یہ ہے میں خطاکار بہت ہوں نصرتؔ
میری ہمت نہیں پڑتی اُسے اپنا لکھوں

☆☆☆

نعت

وہ جس کا ذکر شرف ہے ہر اک زباں کے لیے
اُسیؐ کا نام تو راحت ہے جسم و جاں کے لیے

زمینِ شہرِ مدینہ تجھے نصیب ہوئے
وہ نقشِ پا جو فلک پر تھے کہکشاں کے لیے

نظر کا شغل شب و روز ہے طوافِ حرم
زباں ہے مدحتِ سرکارِ دو جہاںؐ کے لیے

جب آئے گلشنِ عالم میں احمدِ مُرسلؐ
گلاب کھل اُٹھے تزئینِ گلستاں کے لیے

اگر نہ سایۂ دامانِ مصطفیٰؐ ہوتا
کہاں ٹھکانہ تھا اُمت کے عاصیاں کے لیے

☆☆☆

سلام

سر شتِ عشق ہے کیا مسلکِ وفا کیا ہے
یہ ہم نے جانا تو سمجھے کہ کربلا کیا ہے

قلندروں کی قناعت کا امتحان نہ لو
یہ جانتے ہیں دُعا کیا ہے التجا کیا ہے

مدینہ والوں کا ہر مشورہ درست مگر
حسینؑ جانتے ہیں مرضیِ خُدا کیا ہے

دیارِ کوفہ رسن بستہ سر کھلے زینبؑ
کوئی بتائے کہ تفسیرِ انما کیا ہے

جو شہرِ علم کا ہے باب علم اے نصرتؔ
اُسی سے پوچھیے تعلیمِ مصطفیٰؐ کیا ہے

☆☆☆

سلام

عشق کی اور وفا کی بات کرو
صاحبو کربلا کی بات کرو

بہر تفسیر آیہ تطہیر
زینب بے ردا کی بات کرو

پیاس کا تذکرہ جو کرنا ہے
ساحلِ علقمہ کی بات کرو

صبر کی انتہا نہیں ہوتی
جبر کی انتہا کی بات کرو

علم و حکمت کی گفتگو کے لیے
شمعِ غارِ حرا کی بات کرو

دیکھنی ہے جو عظمتِ انساں
آؤ عرشِ علیؑ کی بات کرو

نصرتؔ آسان مشکلیں ہوں گی
مولا مشکل کشا کی بات کرو

☆☆☆

سلام

سانحہ ایسا نہ گزرا لبِ دریا کوئی
موج تڑپے ہے کہ مارا گیا پیاسا کوئی

سچ کو خنجر سے نہیں قتل کیا جا سکتا
بات یہ شام کے لشکر میں نہ سمجھا کوئی

حکمِ حاکم سے ہوئی حاشیہ آرائی بہت
لکھتا تاریخ نے جب واقعہ سچا کوئی

سچ اگر کہنے کی جرأت ہے تو لے نامِ حسینؑ
جان پر کھیلنا سمجھا ہے تماشا کوئی

کربلا دفن ہیں جیسے مہ و انجم تجھ میں
چاند ایسا نہ فلک پر نہ ستارا کوئی

عصرِ عاشور کے بعد اے فلکِ پیر بتا
دیکھا ہے سیدِ سجاد سا تنہا کوئی

ذکر اور ذکرِ حسینؑ ابنِ علیؑ اے نصرتؔ
بات کرنے کا بھی ہے تجھ کو سلیقہ کوئی

☆☆☆

سلام

فہم و ادراک و تعقل سے نہ فرزانوں سے
زندگی سیکھیے شبیرؑ کے دیوانوں سے

غمِ شبیرؑ کا موسم بھی عجب موسم ہے
خود بخود ہاتھ الجھتے ہیں گریبانوں سے

کربلا نام ہے جابر کی حکومت سے نجات
کربلا جنگِ مسلسل ہے ستم رانوں سے

کس طرح آلِ محمدؐ نے گزاری ہے حیات
آؤ تاریخ مرتب کریں زندانوں سے

میری آنکھوں کو حقارت سے نہ دیکھے دُنیا
میری آنکھوں کا تعلق ہے عزا خانوں سے

اپنے ہر شعر کی سچائی پہ نصرتؔ ہم نے
استخارہ کیا تسبیح کے سو دانوں سے

☆☆☆

غزل

ظاہر ہوں نہ باطن ہوں گماں ہوں نہ یقیں ہوں
ادراک و تعقل سے بہت دُور کہیں ہوں

دیکھا ہے تجھے کیا یہ تحیر کا ہے عالم
معلوم نہیں کچھ مجھے میں ہوں کہ نہیں ہوں

میں بے خبر فلسفہ و حکمت و دانش
کہتے ہیں کہ اک خواب ہوں تعبیر نہیں ہوں

شاہد ہوں نہ مشہود نہ مسلک ہوں نہ سالک
آپ اپنی امانت ہوں اور آپ اپنا امیں ہوں

محراب حرم سے بھی مجھے پیار ہے لیکن
مقتولِ خمِ گیسوئے فرخندہ جبیں ہوں

تسبیح سے رغبت ہے نہ زُنار سے نسبت
میں برہمن و شیخ کا کردار نہیں ہوں

سنتا ہوں کہ میں لمحۂ موجود میں نصرتؔ
اِک نادر و نایاب خزینے کا نگیں ہوں

☆☆☆

غزل

دل جو شائستہ رسم و رہِ جاناں ہو جائے
سر بر آوردہ جنوں سر بہ گریباں ہو جائے

ہم جنوں پیشہ ہیں اور بو الہوسی چاہتی ہے
شعلۂ عشق چراغِ جبہ داماں ہو جائے

وقت کیا ایسا بھی آتا ہے محبت میں کبھی
ملتفت حُسن ہو اور عشق گریزاں ہو جائے

کوئی بلقیس کسی شہرِ سبا میں دیکھو
آرزو اپنی تمنائے سلیماں ہو جائے

چاک دامانیٔ یوسف کو کوئی نام نہ دو
کہیں یوسف نہ زُلیخا کا غزل خواں ہو جائے

طوفِ کعبہ کی تو حرمت کا ہوں قائل نصرتؔ
دل بضد ہے کہ طوافِ درِ جاناں ہو جائے

☆☆☆

غزل

ہم کو خبر ہے جینا کیا ہے کہتے ہیں کس کو مر جانا
جینا دل کی بیتابی ہے مرنا دل کا ٹھہر جانا

اب تو ہم پر تنہائی میں ایسے لمحے گزریں ہیں
بیٹھے بیٹھے گم صم ہونا اپنے آپ سے ڈر جانا

اپنی ایسی بے خبری پر زعمِ خرد مندی دیکھو
عمر بھر اپنی بے ہنری کو ہم نے ایک ہنر جانا

ڈھل گیا سورج بڑھ گئے سائے ضد نہ کرو بس جانے دو
اپنی برسوں کی عادت ہے شام سے پہلے گھر جانا

اپنی گزشتہ عمر میں نصرتؔ اور بہت کچھ تم نے کیا
رہتی دنیا نام رہے اب ایسا کام بھی کر جانا

☆☆☆

غزل

تجھ کو آتا ہو تو وہ حرف سکھا دے مجھ کو
میرا لہجہ مری وحشت کا پتہ دے مجھ کو

رنگ آنچل کے ترے، قوسِ قزح میں دیکھوں
تیری خوشبوئے بدن بادِ صبا دے مجھ کو

میں اُسے ڈھونڈنے نکلا تھا کہ خود کو کھویا گیا
اے مری گمشدگی میرا پتہ دے مجھ کو

قیدِ تنہائی یوسف کا بہت ذکر سنا
اب ذرا حال زُلیخا کا سنا دے مجھ کو

سانپ نکلے ہیں ہر اک سمت سے ڈسنے کے لیے
ہاتھ خالی سرِ صحرا ہوں عصا دے مجھ کو

ہمہ تن گوش بر آواز ہوں اک مدت سے
کُنجِ غیبت سے نکل اور صدا دے مجھ کو

میں ترا نقش اگر ہوں مری آرائش کر
میں اگر حرفِ غلط ہوں تو مٹا دے مجھ کو

چھین لے یا مری آنکھوں سے بصارت میری
یا پھر اس دور میں پتھر کا بنا دے مجھ کو

علم کے شہر کی دہلیز تک آ پہنچا ہوں
اک ذرا روشنیِ غارِ حرا دے مجھ کو

☆☆☆

غزل

ہم نے لے لیا آخر خود ہی امتحاں اپنا
چشمِ خوں فشاں اپنی دل دُھواں دُھواں اپنا

ہم تو لہر کی صُورت ضم ہوئے ہیں دریا میں
کیا کسی کو بتلائیں نام اور نشاں اپنا

اُس کو اک تعلق تھا ہم سے کچھ دنوں پہلے
ذکر اُس حوالے سے ہے کہاں کہاں اپنا

کچھ ہمیں بھی بتلاؤ آبدیدہ تم بھی ہو
مختلف تھا کیا سب سے طرزِ داستاں اپنا

ہر کسی سے پوچھوں تھا کون میرا قاتل ہے
نام لے لیا اُس نے آج ناگہاں اپنا

کس طرف کو منزل ہے کس سے رہبری چاہیں
کھو گیا مسافت میں میر کارواں اپنا

شعر کہہ کے لائے ہیں کیا خبر کہ ہم نصرتؔ
کس کے ہاتھ بیچیں گے حرفِ رائیگاں اپنا

☆☆☆

غزل

ذکر ہجر و وصال پر بھی ہنسے
آج ہم اپنے حال پر بھی ہنسے

جب سنا ہر کمال کو ہے زوال
پھر تو ہم ہر کمال پر بھی ہنسے

اس نے پوچھا ہمارا حال تو ہم
دیر تک اس سوال پر بھی ہنسے

کیسی کمزور زندگی بخشی
کرمِ بے مثال پر بھی ہنسے

درجہ بندیٔ نوعِ انسانی
صحبتِ اشتمال پر بھی ہنسے

حیثیت اپنی ہو گئی معلوم
آپ جب میرے حال پر بھی ہنسے

ہم تو ہوش و حواس میں نصرتؔ
انتہائے ملال پر بھی ہنسے

☆☆☆

غزل

کس بات پہ تم ترکِ ملاقات کرو ہو
ہم ڈرتے ہیں جس بات سے وہ بات کرو ہو

مقتول تمھارا تمھیں کہتا ہے مسیحا
"تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو"

لہراؤ ہو زلفوں کو جو رہ رہ کے جبیں پر
کرتے ہو کبھی دن تو کبھی رات کرو ہو

آشفتہ سرو کون ہے وہ غیرتِ ناہید
جس کے لیے راتوں کو مناجات کرو ہو

تم کوہ کن و قیس کے بھی ذکر میں ضمناً
کیا کیا نہ بیاں ہم سے حکایات کرو ہو

یہ دورِ پُر آشوب ہے اور شہرِ نگاراں
نصرتؔ کہو کیسے بسر اوقات کرو ہو

☆☆☆

غزل

نغمہ ہے کہ خوشبو کہ رگِ جاں کی طرح ہے
وہ نیم نگاہی کہ جو پیکاں کی طرح ہے

اے وحشتِ دل تو ہی بتا پھر کہاں جاؤں
صحرا بھی مرے چاک گریباں کی طرح ہے

یہ کیسی مسافت ہے کہ اب اپنے ہی گھر میں
حالت مری بکھرے ہوئے ساماں کی طرح ہے

تم اس کے ذرا کاکل و رخسار تو دیکھو
وہ جانِ غزل داغ کے دیواں کی طرح ہے

بلقیس نہ ہو کوئی تو کس کام کا اپنے
وہ تخت کہ جو تختِ سلیماں کی طرح ہے

☆☆☆

غزل

دل سے دل کی لگی نہیں جاتی
سر سے شوریدگی نہیں جاتی

قُرب کا لطفِ بیکراں بھی ہے
پھر بھی وارفتگی نہیں جاتی

روح کی پیاس بجھ گئی لیکن
جسم کی تشنگی نہیں جاتی

عفو کر دی ہر اِک خطا اس نے
پھر بھی شرمندگی نہیں جاتی

ہر نظر پر فریب کھاتا ہے
عشق کی سادگی نہیں جاتی

نصرتؔ اب تو کسی بھی موسم میں
اپنی افسردگی نہیں جاتی

☆☆☆

غزل

تمکنت ہے نہ وہ غمزہ نہ ادا میرے بعد
کیا ہوا وہ ترا افسون انا میرے بعد

غم نہیں اپنے نہ ہونے کا مگر یہ غم ہے
اُس کے لب ہو گئے محروم دعا میرے بعد

میرے کام آ ہی گئی میری غریب الوطنی
ہاں مرے قتل کا چرچا نہ ہوا میرے بعد

شاید اب اور کوئی دشت میں دیوانہ نہیں
''خاک اُڑاتی ہوئی پھرتی ہے ہوا میرے بعد''

جس کو تُو سُن کے نکل آیا ہو گھر سے باہر
تیرے کوچے میں نہ آئی وہ صدا میرے بعد

مجھ سا اب خلوتی کاکُل و رُخسار کہاں
کون دیکھے گا ترا بند قبا میرے بعد

خشک کانٹوں کی زباں کیوں ہے بتا دشت جنوں
کوئی آیا نہیں کیا آبلہ پا میرے بعد

☆☆☆

غزل

کیا بتلائیں یاد نہیں کب عشق کے ہم بیمار ہوئے
ایسا لگے ہے عرصہ گزرا ہم کو یہ آزار ہوئے

آپ کا شکوہ آپ سے کرنا جوئے شیر کا لانا ہے
آپ کے سامنے بولوں کیسے آپ مری سرکار ہوئے

تیر کی طرح کرنیں برسیں صبح نکلتے سورج کی
لہو لہان تھا سارا چہرا نیند سے جب بیدار ہوئے

عدل کی تو زنجیر ہلانے ہم بھی گئے دروازے تک
ہاتھ مگر زنجیر نہ آئی معتوب دربار ہوئے

جو بھی زخم لیے تھے دل پر ہم نے اُن کی چاہت میں
اُن سے کہہ دینا وہ سارے زخم گُل و گلزار ہوئے

میر کا تو احوال پڑھا ہے کیا نصرتؔ تم بھول گئے
یہ نگری ہے عشق کی نگری کیا کیا سید خوار ہوئے

☆☆☆

غزل

کبھی دیکھی نہ فضا رات کی ایسی خاموش
میں بھی خاموش تھا تصویر بھی اُس کی خاموش

رات بھر کوئی بھی دروازے پہ دستک نہ ہوئی
اور اب صبح سے ہے فون کی گھنٹی خاموش

کوئی پیغام کسی کا نہ کسی کی خوشبو
اب ہوا بھی تو مرے صحن سے گزری خاموش

قصہ اُس کا تھا مگر اُس کا کہیں نام نہ تھا
وہ رہا دیر تلک سُن کے کہانی خاموش

پھر یہ دیکھا کہ ہوئے شہر محبت کے تمام
ساز، آواز سے محروم، مُغنّی خاموش

☆☆☆

نغمۂ حریت

ہم مطربانِ نغمۂ آزادیٔ وطن
غم ہو خوشی ہو رہتے ہیں ہر حال میں مگن

بیدار قلب رکھتے ہیں بالغ نگاہ شوق
خلوت میں بھی ملا ہے ہمیں لطفِ انجمن

ہے ترجمان جرأتِ بیباک ہر نفس
قسمت میں دار ہو کہ مقدر میں ہو رسن

ہاں اے گروہِ مدح و ثناخوانِ حریت
حُر تو وہی ہے سر سے جو باندھے رہے کفن

نقدِ متاعِ زیست سے لیتے رہے ہیں مول
خودداریٔ ضمیر و نظر اہلِ علم و فن

عزم و عمل سے ہوتی ہیں آسان مشکلات
خوئے جنونِ شوق ہے تقلیدِ کوہکن

خونِ رگِ حیات سے ہوتی ہے عطر بیز
زُلفِ عروسِ لیلیٰٔ آزادیٔ وطن

☆☆☆

رکشا مزدور

دوپہر کا وقت سورج کی تمازت الاماں
شہر کے بازار سے رکشا صدر کو ہے رواں

دو ٹریفک کے محافظ بھاری بھر کم سنتری
وردیاں پہنے ہوئے باصولتِ اسکندری

شان سے رکشا میں ہیں بیٹھے ہوئے کھولے کتاب
کر رہے ہیں دونوں رشوت کی کمائی کا حساب

دل شکستہ مضمحل مزدور تصویرِ ملال
ناتواں غربت زدہ گرمی کی شدت سے نڈھال

تربتر ہے جسم بہتا ہے پسینہ اس قدر
چل نہیں سکتا ہے رکشا کھینچتا ہے ہانپ کر

طاقتِ گفتار رکھتا ہے مگر معذور ہے
تیز چلنے پر بحکمِ حاکماں مجبور ہے

جائے مسکن آ گئی ہاں آگیا تھانہ صدر
مُفلسوں کی عزتوں کا جو کہ ہے نیلام گھر

رُک گیا رکشا اُتر کر چل پڑے والا نسب
شومیٔ قسمت سے کی مزدور نے اُجرت طلب

بڑھ کے کی اک سنتری نے زور سے ٹھوکر رسید
دوسرے نے کر دیا چالان رکشا کا مزید

جانتا مزدور گر یہ لیتا اُجرت کا نہ نام
ان کے مشرب میں تو مزدوری کا دینا ہے حرام

اے مہذب دور تجھ سے پوچھنی ہے اک بات
کیا اسی منشور کو تو چاہتا ہے ہو ثبات

کیا یہی انسانیت کے ارتقا کا ہے مقام
آدمی سے جو لیا جاتا ہے چوپائے کا کا م

☆☆☆

روشنی

زخم پر زخم کھا کر لبوں کو سیئے
ہم نے ہر رہگزر پر لہو کے دیئے
جس سحر کے لیے تھے فروزاں کیے
دوستو یہ وہ سحر تو نہیں

تابہ کے تم رہو گے اسیر محن
زرد چہرے ہلاکت زدہ خستہ تن
چلتے پھرتے جنازے کہ ہو بے کفن
کون مخلوق کہیئے بشر تو نہیں

ہاتھ پر ہاتھ دھرنے سے کیا فائدہ
دم بہ دم آہ بھرنے سے کیا فائدہ
یوں بالاقساط مرنے سے کیا فائدہ
جینا ذلت سے کوئی ہنر تو نہیں

پھر رہا ہے بھٹکتا ہوا قافلہ
کوئی منزل کا ملتا نہیں راستہ
کون جانے کسے یہ خبر کیا پتہ
ساتھیو راہزن راہبر تو نہیں

رات کجلا گئی ہے اٹھو ساتھیو
کس تذبذب میں ہو کام ہمت سے لو
ہاں بڑھو دوستو ہاں بڑھو دوستو
ورنہ اس زندگی سے مفر تو نہیں

تم سے ہے قصر والوں کا جاہ و حشم
پھینک دو یہ سبُو چھین لو جامِ جم
فتح ہے منتظر چومنے کو قدم
تم میں فقدانِ اہلِ نظر تو نہیں

بجھ نہ جائے کہیں مشعلِ آگہی
چھا نہ جائے کہیں بیکراں تیرگی
روشنی روشنی روشنی روشنی
دوستو یہ سحر وہ سحر تو نہیں

☆☆☆

مصطفیٰ زیدی

ملی ہے جراتِ اظہارِ حق کی سب کو سزا
کوئی تو دار چڑھا اور کسی نے زہر پیا

شکستِ سطوتِ فرعونِ وقت کی خاطر
ہر ایک دور میں آتا رہا ہے اِک موسیٰؑ

لگاؤ اور بھی مقتول پر کئی الزام
جواز کچھ تو ہو قاتل کی بے گناہی کا

نگارِ شہر کے رُخ سے نقاب تو اُلٹو
پتہ چلے کہ لہو ہے کسی کا یا غازہ

کوئی بتاؤ کہ ہم کس سے منصفی چاہیں
کہ ہم جلیس ہے قاتل کا قاضیِ قریہ

کوئی یہ مصطفیٰ زیدی کو بھی خبر کر دے
طلسمِ ہوشربا کا حِصار ٹوٹ گیا

☆☆☆

نظم

اے جانِ طلب تو ہی بتا کس کے لیے ہے
انکار میں اقرارِ وفا کس کے لیے ہے
میں گوشۂ افکار میں ہوں گوش بر آواز
گلبن جرس و بامِ صدا کس کے لیے ہے
کس کنج سے اُبھرے گا ترے جسم کا خورشید
یہ نورِ شب ہوشربا کس کے لیے ہے
کس بام پہ اُترے گا ترے حُسن کا مہتاب
مشاطگیٔ ارض و سما کس کے لیے ہے
مہکی ہوئی صندل سی ترے جسم کی خوشبو
بےتاب و گرفتارِ صبا کس کے لیے ہے
پوچھے ہے ہر اک گام پہ واماندگیٔ شوق
آنچل کی ترے نرم ہوا کس کے لیے ہے
دن کس کی جدائی میں گزرتا ہے تڑپ کر
راتوں کو ترے لب پہ دعا کس کے لیے ہے
یہ شدتِ جذبات دہکتے ہوئے رُخسار
یہ جوش میں وا بندِ قبا کس کے لیے ہے
دہلیز ہے کس کی ترے سجدوں کی تمنا
تو پیکرِ تسلیم و رضا کس کے لیے ہے

☆☆☆

تتلی

موہنی سی صورت تھی
فخر تھا ہمیں اُس پر
ساتھ ساتھ چلنے میں

اُس کی بات کی خوشبو
بادِ صبح سے جیسے
پھول کے مہکنے میں

قربتیں بڑھیں پھر تو
ہم نے کر لیا شامل
اُس کو جینے مرنے میں

اور پھر کُھلا ہم پہ
اُس کو تو مہارت ہے
تتلیاں پکڑنے میں

☆☆☆

غیر مطبوعہ کلام

غزل

کتنی سستی ہے اگر جان بھی قیمت ٹھہرے
تیری باتیں تیرا پہلو مری جنت ٹھہرے

زلف و رخسار سے میں تو ابھی کھیلا ہی نہیں
وصل کی شام ہے کچھ دیر قیامت ٹھہرے

اس کی دہلیز کے سجدے سے یہ اعزاز ملا
قریۂ عشق میں ہم صاحبِ عزت ٹھہرے

منصفی کے لیے قاضی کی شکایت کیسی
شہر میں قتل جو قاتل کی کرامت ٹھہرے

شاعری میری بس اس دن کے لیے ہے نصرتؔ
شہر میں اس کے مرے شعر کی شہرت ٹھہرے

☆☆☆

غزل

ہر قدم جانب منزل سحر آثار مرا
راستہ روکتے ہیں ثابت و سیار مرا

وصف کوئی نہ ہنر بکنے کو بازار میں ہوں
کیا خریدے گا مجھے کوئی خریدار مرا

میں بھی رہتا تھا جس گھر میں، اس اُجڑے گھر کے
راستہ دیکھ رہے ہیں در و دیوار مرا

اپنے ہونے پہ نہ ہونے کا یقیں کرتا ہوں
اے جنوں دیکھ محبت میں یہ ایثار مرا

ایک مدت سے اسے خواب میں بھی دیکھا نہیں
جانے کس حال میں ہے درپئے آزار مرا

دل کے زخموں نے جو گل زار کھلا رکھے ہیں
ان کی دیتا ہے خبر دیدہ خوں بار مرا

☆☆☆

غزل

گھر میں جب کوئی بھی دیکھا نہ شناسا اپنا
ہم نے سوچا کہ بس اب دیکھیں تماشا اپنا

ہم نے تو رکھا ہے محدود اسے آنکھوں تک
جلوہ کیا کیا نہ دکھاتی رہی دنیا اپنا

غیر تو غیر ہے اپنا بھی تو اب اپنا نہیں
نفسا نفسی ہے یہاں کون کسی کا اپنا

کعبہ کا ذکر نہ کر کعبے کی ہے بات الگ
ہم سے تو ہو نہ سکا دیر و کلیسا اپنا

آخری شعر میں محبوب کا اب ذکر کروں
تھا کبھی اپنا مگر اب ہے کسی کا اپنا

انشا پردازیاں سب رہ گئیں اپنی نصرتؔ
بات کرنے کا نہ کام آیا سلیقہ اپنا

☆☆☆

غزل

تم نے بھی نعرہ انا الحق کا سنا ہے کہ نہیں
وہ پرستارِ خدا دار چڑھا ہے کہ نہیں

عرش سے آتا نہیں کیوں مری آہوں کا جواب
میری روزانہ کی مقبول دعا ہے کہ نہیں

دیکھ کر رزق کی تقسیم کی ناہمواری
آدمی سوچنے لگتا ہے خدا ہے کہ نہیں

کوئی قاضی سے بھی یہ پوچھے کہ اس کے دل میں
کوئی مفہومِ جزا اور سزا ہے کہ نہیں

لوگوں کو اب یہ عدالت پہ بھی شک ہونے لگا
فیصلہ عدل سے قاضی نے کیا ہے کہ نہیں

دل میں ہے اس سے کسی روز یہ پوچھوں نصرتؔ
آج کل ہم سے رہ و رسمِ وفا ہے کہ نہیں

☆☆☆

غزل

تڑپ تڑپ کے گزاری حیات اتنی سی
زباں پہ آ ہی گئی دل کی بات اتنی سی

نہ کیسے مجھ سے ہو لغزش کہ نسلِ آدم ہوں
زمانہ کس لیے سمجھا نہ بات اتنی سی

مرے خدا جو زباں دی ہے بات کرنے دے
ہے خواہشِ نگہِ التفات اتنی سی

یہ میرے ذہن کے اک گوشے میں سمٹ آئی
مرے خدا ہے تری کائنات اتنی سی

بس ایک سانس کی مہلت نہیں تو پھر کیا ہے
عطا یہ کیوں مجھے کی ہے حیات اتنی سی

چڑھا ہے دار پہ منصور بات سچ کہہ کر
نہ سمجھی بات تری کائنات اتنی سی

ذرا سی بات جھگڑا بنے نہ اے نصرتؔ
سخن میں چاہیے بس احتیاط اتنی سی

☆☆☆

غزل

کسی کی چاہ میں دل کی شکستگی کیا ہے
یہ زخم ہے تو پھر اس کی رفو گری کیا ہے

کسی سے عہد کیا اور کسی کے ہو کے رہے
بس اس جنوں کے سوا اور عاشقی کیا ہے

اس اک نظر کا فسوں ہے میں جس حصار میں ہوں
میں جانتا ہی نہیں سحر سامری کیا ہے

جو میرے بام پہ اترے وہ ماہتاب جبیں
بتاؤں میں بھی زمانے کو چاندنی کیا ہے

مری نگاہ میں جلوہ ہے اس کا آٹھ پہر
مجھے بتا مرے واعظ کہ بندگی کیا ہے

جو فرش پر تھا اسے عرش پر بھی دیکھتے ہیں
فرشتے سوچتے ہوں گے کہ آدمی کیا ہے

☆☆☆

غزل

ہر ایک واقفِ اندوہِ عاشقاں تو نہیں
وہ نامہ بر مرے غم کا ترجماں تو نہیں

کئی دنوں سے طبیعت اداس رہتی ہے
تمہارے سر کی قسم تم سے سرگراں تو نہیں

قفس کی جلتی ہوئی تیلیوں کو دیکھتا ہوں
قریب ان کے کہیں میرا آشیاں تو نہیں

ترے خیال تری جستجو میں دربدری
خیال آئے ہے یہ سعی رائگاں تو نہیں

فضا میں پھولوں کی جو پتیاں سی اڑتی ہیں
ہمارے جیب و گریباں کی دھجیاں تو نہیں

غزل سنی تو کہا دوستوں نے اے نصرتؔ
یہ تیرے شعر کلامِ سخنوراں تو نہیں

☆☆☆

غزل

دیوانگی میں جسم پہ پوشاک بھی نہیں
ہم دشت میں ہیں اور خس و خاشاک بھی نہیں

نا آشنا وہ پیار کے لفظوں سے اور ہم
اظہار عشق کرنے میں بے باک بھی نہیں

لے دے کے بس تعلقِ خاطر ہے آپ سے
دنیا سے رغبتِ دلِ صد چاک بھی نہیں

ہم تو غریبِ شہر ہیں مسند سے کیا غرض
سر پر ہمارے طُرّۂ پیچاک بھی نہیں

فرہاد و قیس اپنے قبیلے کے ہیں مگر
پاس اپنے گو وہ دشت کی املاک بھی نہیں

کیا جانیے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا کیوں
میری زمیں نہیں مرے افلاک بھی نہیں

وہ لوگ کر رہے ہیں جنوں پر مباحثہ
وہ جن کو کچھ فراست و ادراک بھی نہیں

☆☆☆

غزل

وہ آ رہے ہیں تو آنکھوں کو اپنی وا رکھنا
نظر کے فرش پہ اشکوں کا حاشیہ رکھنا

رہِ وفا میں کٹھن منزلیں تو آتی ہیں
خود اپنی جاں سے گزرنے کا حوصلہ رکھنا

سنا ہے رات گزارو ہو تم عبادت میں
ہمارے نام کو بھی شاملِ دعا رکھنا

زمانہ سازیاں ہم کو کبھی نہ راس آئیں
ہمیں نہ آیا زمانہ سے واسطہ رکھنا

وہ جس کو قول کا اپنے نہ پاس ہو نصرتؔ
تعلقات کا کیا اس سے سلسلہ رکھنا

☆☆☆

غزل

قیس صحرا کو چلا محملِ لیلیٰ لاؤ
ذکرِ شیریں ہے تو فرہاد کا تیشہ لاؤ

شعلے زخموں سے نکلتے ہیں مرے سینے سے
کوئی قلزم کوئی دریا کوئی قطرہ لاؤ

مجھ سے ہوتی نہیں پابندئ آدابِ چمن
میں تو دیوانہ ہوں مجھ کو مرا صحرا لاؤ

کوئی سورج کی نکلتی ہوئی کرنوں سے کہے
میری بستی میں اندھیرا ہے اجالا لاؤ

تذکرہ طور کے جلوے کا بہت ہوتا ہے
تم ذرا اپنا چراغِ رخِ زیبا لاؤ

ہر گلی کوچہ میں آواز لگاؤں کب تک
شہرِ غربت ہے کوئی میرا شناسا لاؤ

☆☆☆

حوالہ جات

باب اول

۱۔ نصرت زیدی، سید، حرف وصدا، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی، راولپنڈی، ۲۰۱۳ء ص ۱

۲۔ ایضاً، ص ۲

۳۔ ایضاً، ص ۲

۴۔ ایضاً، ص ۲

۵۔ سلطان رشک، طلیپ، تبصرہ وتجزیہ، مارشل آرٹ پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱

۶۔ نصرت زیدی، گفتگو، پروگرام "اہل قلم سے ملیے" اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۸

۷۔ نصرت زیدی، سید، حرف وصدا، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی، راولپنڈی، ۲۰۱۳ء ص ۳

۸۔ ایضاً، ص ۳

۹۔ قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر، دیباچہ تبصرہ وتجزیہ، مارشل آرٹ پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱ ص ۱۱

۱۰۔ ذوالفقار کاظمی، ڈاکٹر، عالمی اخبار ڈاٹ کام ۲۳ مارچ ۲۰۲۰

۱۱۔ نجم السحر صدف، ڈاکٹر، مقالہ نگار کے نام وٹس ایپ پیغام، ۷ اگست ۲۰۲۰

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر، دیباچہ تبصرہ وتجزیہ، مارشل آرٹ پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱ ص ۹

۱۴۔ مصطفیٰ زیدی، دیباچہ آزرکدہ، مکتبہ دانش لاہور، 1959ء ص ۱۱

۱۵۔ محبوب ظفر، غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

۱۶۔ قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر، دیباچہ تبصرہ وتجزیہ، مارشل آرٹ پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱ ص ۱۳

۱۷ محبوب ظفر، غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

۱۸۔ ماہنامہ اکتاف ڈیرہ اسماعیل خان، جون تا اکتوبر ۲۰۰۹ ص ۳

۱۹۔ نصرت زیدی، سید، حرف وصدا، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی، راولپنڈی، ۲۰۱۳ء ص ۱۲۱

۲۰۔ نصرت زیدی، گفتگو، پروگرام "اہل قلم سے ملیے" اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۸

۲۱۔ نصرت زیدی، سید، حرف وصدا، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی، ۲۰۱۳ء ص ۳

۲۲۔ ایضاً،ص ۵

۲۳۔ ایضاً،ص ۵

۲۴۔ ایضاً،ص ۵

۲۵۔ ایضاً،ص ۵

۲۶۔ ایضاً،ص ۵

۲۷۔ محبوب ظفر،غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

۲۸۔ عبید سعید،غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

باب سوم

۱۔ نصرت زیدی،سید،حرف وصدا،ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی،۲۰۱۳ء،ص ۵

۲۔ ایضاً،ص ۵

۳۔ افتخار عارف،فلیپ،حرف وصدا،ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی،۲۰۱۳

۴۔ علامہ طالب جوہری،فلیپ،حرف وصدا،ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی،۲۰۱۳

۵۔ انور جمال،پروفیسر،ادبی اصطلاحات،نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۲۰۱۷ء ص ۷۹۔۸۰

۶۔ ناظم علی،ڈاکٹر،اسلوب اوراس کے اقسام،جہان اردو ڈاٹ کام

۷۔ عبادت بریلوی،ڈاکٹر،مضمون مشمولہ حسرت موہانی،مرتب،ڈاکٹر معراج نیئر،الوقار پبلی کیشن لاہور،ص ۲۴۹

۸۔ وزیر آغا،ڈاکٹر،حسرت کا عشق،مضمون مشمولہ حسرت موہانی،مرتب،ڈاکٹر معراج نیئر،الوقار پبلی کیشن لاہور،ص ۲۶۱

۹۔ انور جمال،پروفیسر،ادبی اصطلاحات،نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد،۲۰۱۷ء ص ۸۲

۱۰۔ مصطفیٰ زیدی،دیباچہ آذر کدہ،،مکتبہ دانش لاہور،۱۹۵۹ء،ص ۱۰

۱۱۔ توصیف تبسم،ڈاکٹر،آذر کدہ،تقریظ،،مکتبہ دانش لاہور،۱۹۹۵ء،ص ۱۲

۱۲۔ منور ہاشمی،ڈاکٹر،ادبی دوست،مقالہ نگار سے تفصیلی ملاقات،بمقام،وفاقی اُردو یونیورسٹی اسلام آباد،دن ۲ بجے سے ۴ بجے تک،۱۷/نومبر ۲۰۱۶ء

۱۳۔ نثار ترابی،ڈاکٹر،ادبی دوست،مقالہ نگار سے تفصیلی ملاقات،وفاقی اُردو یونیورسٹی اسلام آباد،۵ بجے،۲۱/نومبر ۲۰۱۶ء

باب چہارم

۱۔ نصرت زیدی،پیش لفظ،آذر کدہ،،مکتبہ دانش لاہور،۱۹۵۹ء ص ۱۶

۲۔ احسان دانش،اظہار خیال،آذر کدہ،،مکتبہ دانش لاہور ۱۹۵۹ء ص ۱۴

باب پنجم

۱۔ علامہ طالب جوہری تقریظ، حرف و صدا، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی، ۲۰۱۳ء ص ۱۲

۲۔ افتخار عارف، اظہار خیال، حرف و صدا، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی، ۲۰۱۳ء ص ۱۶

باب ششم

۱۔ علامہ طالب جوہری، حرف قدس، تقریظ، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی، ۲۰۰۶ء ص ۱۳

۲۔ افتخار عارف، فلیپ، حرف قدس، تقریظ، ایس ٹی پرنٹرز گوالمنڈی راولپنڈی، ۲۰۰۶ء

۳۔ افتخار عارف، ادبی دوست، مقالہ نگار سے تفصیلی ملاقات، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئج اسلام آباد، دن ۱۱ بجے، ۲۰ نومبر ۲۰۱۷ء

۴۔ منور ہاشمی، ڈاکٹر، ادبی دوست، مقالہ نگار سے تفصیلی ملاقات، بمقام، وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد، دن ۲ بجے سے ۳ بجے تک، ۱۷ نومبر ۲۰۱۶ء

باب ہفتم

۱۔ نصرت زیدی، سید، پیش لفظ تبصرہ و تجزیہ مارشل پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱ء ص ۱۵

۲۔ کلیم الدین احمد، اردو میں تنقید پر ایک نظر، اردو میں تبصرہ نگاری، ادارہ فروغ اردو لکھنو ۱۹۵۷ ص ۳۲۶

۳۔ رئیس احمد ہمدانی، ہماری ویب ڈاٹ کام

۴۔ توصیف تبسم، ڈاکٹر، آذر کدہ، تقریظ، مکتبہ دانش لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲

۵۔ قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر دیباچہ تبصرہ و تجزیہ، مارشل آرٹ پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱ء ص ۱۱

۶۔ نصرت زیدی، سید، تبصرہ و تجزیہ، مارشل آرٹ پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱ء ص ۱۵

۷۔ قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر دیباچہ تبصرہ و تجزیہ، مارشل آرٹ پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱ء ص ۱۳

۸۔ نصرت زیدی، سید، پیش لفظ تبصرہ و تجزیہ، مارشل آرٹ پریس راولپنڈی، ۲۰۰۱ء ص ۲۱

۹۔ ایضاً ص ۲۹

۱۰۔ ایضاً ص ۲۸

۱۱۔ ایضاً ص ۳۷

۱۲۔ ایضاً ص ۳۲

۱۳۔ ایضاً ص ۷۶

۱۴۔ ایضاً ص ۸۲

۱۵۔ ایضاً ص ۱۱۲

۱۶۔ ایضاً ص ۸۵

۱۷۔ ایضاً ص ۹۴۔۹۵

۱۸۔ ایضاً ص ۹۵

باب ہشتم

۱۔ www.panjnad.com

۲۔ خالق داد، پروفیسر، تحقیق و تدوین کا طریقہ، اورینٹل بکس لاہور، ۲۰۱۲ء ص ۱۱۲

۳۔ عثمان حفیظ تبسم، اردو میں تدوین کی روایت، مجلہ قرطاس، یونیورسٹی آف فیصل آباد، شمارہ ۶

۴۔ جوش ملیح آبادی، فلیپ، انتخاب کلام مصطفیٰ زیدی، الحمد پبلی کیشن، لاہور ۲۰۰۹ء

۵۔ فیض احمد فیض، ایضاً

۶۔ جوش ملیح آبادی، اظہار خیال، یاد کرے گی دنیا، الحمد پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۱۷ء ص ۱۷

مشاہیر کی آرا

۱۔ احسان دانش، آذر کدہ، دیباچہ، مکتبہ دانش لاہور، ۱۹۵۹ء، ص ۸

۲۔ مصطفیٰ زیدی، ایضاً، ابتدائیہ، ص ۷

۳۔ خاطر غزنوی، ایضاً، دیباچہ، ص ۷

۴۔ قاضی عبدالقادر، ڈاکٹر، تبصرہ و تجزیہ، دیباچہ، ص ۶

۵۔ سلطان رشک، فلیپ، ایضاً، آذر کدہ، مکتبہ دانش لاہور ۱۹۵۹ء

۶۔ توصیف تبسم، ڈاکٹر، آذر کدہ، تقریظ، مکتبہ دانش لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲

۷۔ مشکور حسین یاد، آذر کدہ، تقریظ، مکتبہ دانش لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۳

۸۔ علامہ طالب جوہری، تقریظ، حرف قدس، ایس ٹی پرنٹرز، گوالمنڈی راولپنڈی، ۲۰۱۱ء ص ۱۱

۹۔ محمد میاں صدیقی، ڈاکٹر، حرف قدس، فلیپ ایس ٹی پرنٹرز، گوالمنڈی راولپنڈی، ۲۰۱۱ء

۱۰۔ نظیر صدیقی، فلیپ، حرف قدس، ایس ٹی پرنٹرز، گوالمنڈی راولپنڈی، ۲۰۱۱ء

۱۱۔ افتخار عارف، ادبی دوست، مقالہ نگار سے تفصیلی ملاقات، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئج اسلام آباد، دن ۱۱ بجے، ۲۱ نومبر ۲۰۱۷ء

۱۲۔ محبوب ظفر، غیر مطبوعہ مضمون سے اقتباس

۱۳۔ منور ہاشمی، ڈاکٹر، ادبی دوست، مقالہ نگار سے تفصیلی ملاقات، بمقام، وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد، دن ۲ بجے سے ۳ بجے تک، ۱۷ نومبر ۲۰۱۶ء

۱۴۔ نثار ترابی، ڈاکٹر، ادبی دوست، مقالہ نگار سے تفصیلی ملاقات، وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد، ۵ بجے، ۲۱ نومبر ۲۰۱۶ء

۱۵۔ فرحت عباس، ڈاکٹر، ادبی دوست، مقالہ نگار سے تفصیلی ملاقات، القائم ہسپتال سید پور روڈ راولپنڈی، شام ۶ بجے۔

طلعت محمود عاجز ۶ ؍جولائی ۱۹۷۳ء ساکن تھہ چوہدریاں موضع بڑا گواہ تحصیل سوہاوہ ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول بڑا گواہ سے کرنے کے بعد پاکستان آرمی میں ملازمت اختیار کر لی۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ آپ نے تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اسی دوران آپ نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے بی۔اے اور وفاقی اُردو یونیورسٹی، اسلام آباد سے اُردو میں ایم۔اے اور ایم فل کی ڈگریاں حاصل کیں۔

آج کل آپ بطور لیب اسسٹنٹ، وفاقی اُردو یونیورسٹی فنون سائنس و آرٹس ٹیکنالوجی اسلام آباد میں فرائض انجام دے رہے ہیں۔ شاعری کے علاوہ علمی و ادبی و سماجی موضوعات پر آپ کے مضامین بھی مختلف اخبارات و ادبی رسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔

9 789694 723327